ماہنامہ
جہدِ حق

پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق

HRCP

Registered No. CPL-13

جلد نمبر 32... شمارہ نمبر... 11... نومبر 2024

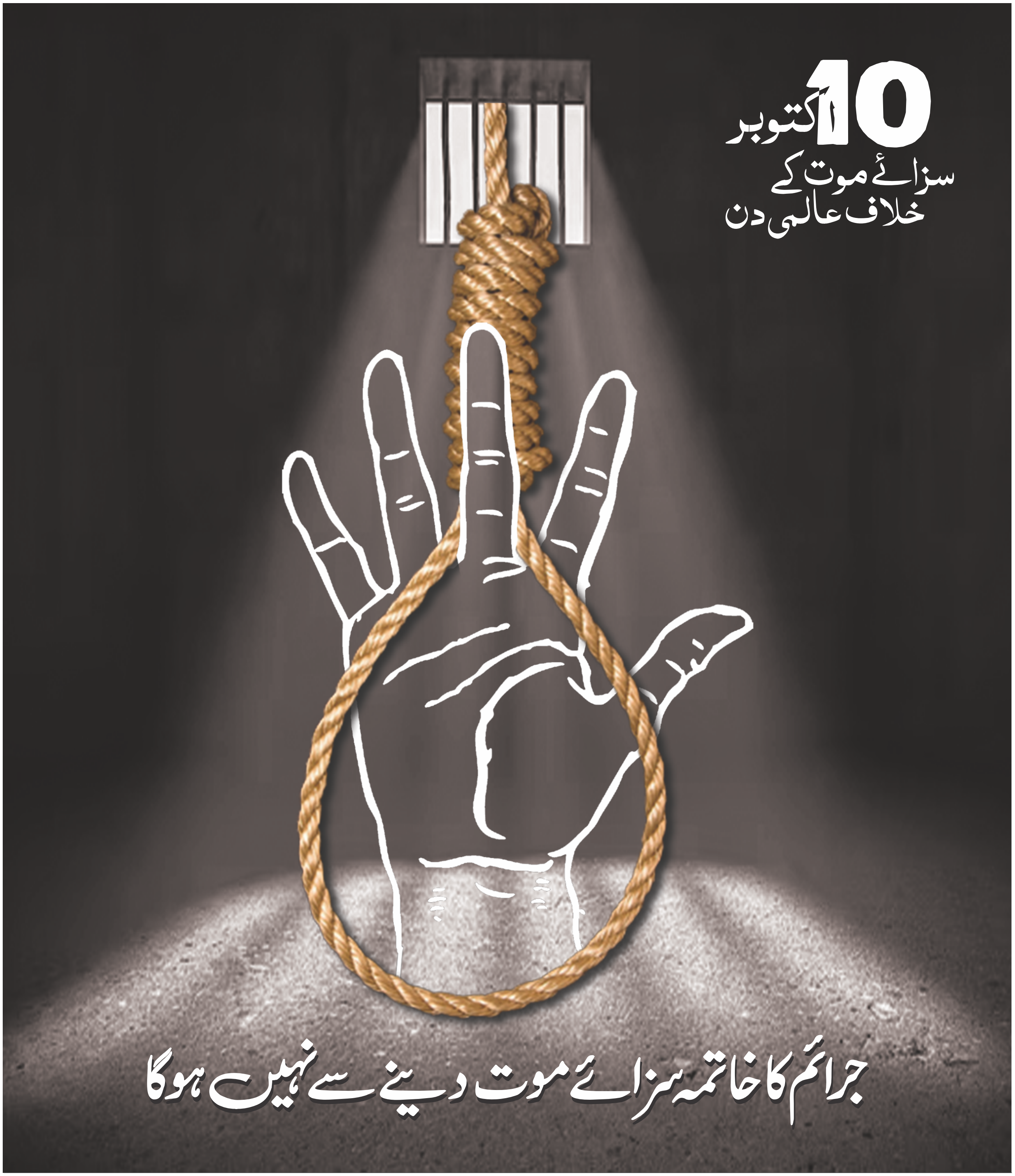

☆انسانی حقوق کی خلاف ورزی کے واقعات کی رپورٹ

1-وقوعہ کیا تھا:					
2-وقوعہ کب ہوا؟	سال		مہینہ		تاریخ
3-وقوعہ کہاں ہوا؟	گاؤں		محلّہ		
	ڈاک خانہ		تحصیل وضلع		
4- کیا وقوعہ کا مقامی رسم ورواج سے تعلق ہے	ہاں		نہیں		
5-وقوعہ کیسے ہوا؟ (مختصر تفصیل)					
6-وقوعہ کا ماضی کے کسی دوسرے واقعہ سے تعلق اور اس کی مختصر تفصیل					
7-وقوعہ کا شکار ہونے والے کے کوائف	نام	ولد/زوجہ	پیشہ		
8-وقوعہ سے متاثر ہونے والے کے معاشی/سماجی حیثیت	بچہ/بچی	عورت/مرد	غریب/ان پڑھ	بوڑھا/بوڑھی	بیمار
	مخالف سیاسی کارکن	سماجی کارکن	اقلیتی فرقے کا رکن	دیگر (تخصیص کریں)	

9-وقوعہ میں ملوث اشخاص کے کوائف:	نام	ولدیت/زوجیت	عہدہ	پیشہ
	1-			
	2-			
	3-			
10-وقوعہ کے ذمہ دار فرد/افراد کی معاشی/سماجی حیثیت	بڑا جاگیردار/زمیندار/بہت امیر آدمی	متوسط طبقے سے/غریب آدمی	بااثر صلاحیت/سیاسی اثرورسوخ	
11-وقوعہ کی پشت پناہی کرنے والے عناصر کے کوائف	نام اور ولدیت	عہدہ	پیشہ	پارٹی/ادارہ
	1-			
	2-			
	3-			

12-وقوعہ سے متعلقہ فریقین گواہان وغیر جانبدار افراد کے کوائف وموقف

وقوعہ سے تعلق	نام اور ولدیت	وقوعہ سے متاثر ہونے والے کے ساتھ تعلق/رشتہ داری	عہدہ	موقف
واقعہ سے متاثر				
واقعہ کا ذمہ دار				
چشم دید گواہ				
غیر جانبدار/پڑوسی				

13-اس قسم کے واقعات علاقہ میں کس قدر ظہور پذیر ہوتے رہتے ہیں	بہت زیادہ	اکثر اوقات	کبھی کبھار	کبھی نہیں
14-اس قسم کے واقعات اندازاً کتنی تعداد میں ہوتے ہیں	روزانہ	ماہانہ	سالانہ	
15-وقوعہ کے بارے میں HRCP نامہ نگار/اس کے ساتھ چھان بین کرنے والے/والوں کی رائے				
رپورٹ بھیجنے والے کے کوائف:	نام	پتہ: گاؤں/محلّہ	شہر/ضلع	

انسانی حقوق کے عالمی منشور کی کس شق کی خلاف ورزی ہوئی؟

دستخط: ....

تاریخ: ....

نوٹ: اگر تفصیلات فارم پر نہ آسکیں تو نمبر لکھ کر سادے کاغذ پر تفصیل درج کریں

☆تمام ساتھی جو انسانی حقوق کے حوالے سے رپورٹیں بھیجتے ہیں آئندہ اس فارم کی فوٹو کاپی پر کوائف پُر کرکے بھیجیں

فہرست

پریس ریلیزیں 03

نجی کالج میں مبینہ زیادتی کا واقعہ 05

پاکستان کی صنفی اقلیتیں۔ایک غیر حل شدہ پہیلی 09

خطرناک جال 11

ذہنی تناؤ،نفرت اور گندگی کی میراث:
مجھے لگتا ہے میرے بچے بھی سیور مین بنیں گے 12

پاکستان: کان کنوں کے قتل پر اقوام متحدہ
کے شعبہ انسانی حقوق کو تشویش 15

فضائی آلودگی 16

مسلح تنازعات کے دوران لاقانونیت
اور بچوں کی سمگلنگ پر یو این رپورٹ 16

دنیا میں دو ارب خواتین کسی
بھی طرح کے سماجی تحفظ سے محروم 18

دنیا کے ایک ارب بچوں کو تشدد
اور استحصال کا سامنا 20

کنٹریکٹ پر اساتذہ کی بھرتی
اور تعلیمی قابلیت کے بے جا تقاضے 21

مجوزہ آئینی ترمیم بنیادی حقوق کی خلاف ورزی کا باعث نہیں بننی چاہیے

مجوزہ آئینی ترامیم کے پیکج کے حوالے سے پیدا ہونے والے تنازعے کے پیش نظر، پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق (ایچ آرسی پی) نے ضروری سمجھا کہ سول سوسائٹی، قانونی برادری اور سیاسی جماعتوں کو ایک مشترکہ ایجنڈا پر متفق کرنے کے لئے ایک قومی مشاورت کا انعقاد کیا جائے۔اجلاس کا تعارف سیکرٹری جنرل حارث خلیق نے کرایا جبکہ اس کی میزبانی ایچ آرسی پی کی شریک چیئر منیزے جہانگیر اور ڈائریکٹر فرح ضیاء نے کی۔

وکیل حنا جیلانی نے سول سوسائٹی کی جانب سے درج ذیل مطالبات پیش کیے: بل کے سرکاری مسودے کو عوام کے سامنے لایا جائے اور اس پر اتفاق رائے قائم کیا جائے؛ کوئی بھی ترمیم ایسی نہیں ہونی چاہیے جو ان اداروں کو مزید اختیارات دینے یا احتساب سے بچنے کی گنجائش فراہم کرے جن کا آئین کے آرٹیکل 7 میں کوئی ذکر نہیں؛ سول سوسائٹی آئین میں ایسی تبدیلی قبول نہیں کرے گی جو آرٹیکل 8 کو متاثر کرے؛ اور کسی بھی آئینی ترمیم میں پارلیمان کے علاوہ دیگر سیاسی فریقوں کو بھی شامل کیا جائے۔

نیشنل ڈیموکریٹک موومنٹ کے رہنما افراسیاب خٹک نے اس عمل کو'شب خون' قرار دیتے ہوئے بل کا مستند مسودہ فراہم کرنے کی ضرورت پر زور دیا۔مصطفی نواز کھوکھر نے کہا کہ عجلت میں کی جانے والی قانون سازی پارلیمانی اصولوں کی خلاف ورزی ہے، جبکہ وکیل دانش آفریدی نے اس ترمیم کے وقت پر سوال اٹھایا۔ پاکستان بار کونسل کے سابق نائب چیئر عابد ساقی نے بھی بل کے مسودے کی تیاری میں شفافیت کی ضرورت پر زور دیا۔

وکیل صلاح الدین احمد کا ماننا تھا کہ سپریم کورٹ اور ایک آئینی عدالت کے درمیان آئینی دائرہ کار کو تقسیم کرنے کا کوئی قابلِ عمل طریقہ نہیں ہے۔ پی ٹی آئی کے سیکرٹری جنرل سلمان اکرم راجہ نے کہا کہ ایسی کوئی بھی ترمیم جو حکومت کو آئینی عدالت کے ججوں کو منتخب کرنے کا اختیار دے وہ عدلیہ کی آزادی کو نقصان پہنچائے گی۔عوام پاکستان کے رہنما اور سابق وزیر اعظم شاہد خاقان عباسی نے بھی اس بات کی تائید کی۔انہوں نے کہا کہ یہ ترمیم عدلیہ کو کنٹرول کرنے کا ایک ذریعہ ہے۔

وکلاء منیر کاکڑ اور منیر ملک نے مزید کہا کہ مجوزہ ترمیم 2007 کی وکلا تحریک میں حاصل کیے گئے اہداف کو ختم کر دے گی۔وکیل ریما عمر نے کہا کہ آئینی عدالتوں کا قیام موجودہ سیاسی تناظر میں ایک غیر معمولی اقدام ہے۔اگرچہ، پی پی پی کے رہنماؤں نیئر بخاری اور فرحت اللہ بابر نے آئینی عدالت کے خیال کی حمایت کی، مگر انہوں نے بھی قانون سازی میں زیادہ شفافیت کی ضرورت پر زور دیا۔

آئینی ماہر ظفر اللہ خان، صحافی ناصر زیدی اور عصمت اللہ نیازی، اور جوائنٹ ایکشن کمیٹی کے کنوینر عرفان مفتی نے کہا کہ آئینی ترامیم سیاسی مذاکرات، اتفاق رائے اور عوامی تائید پر مبنی ہونی چاہئیں۔عوامی ورکرز پارٹی کے نمائندے عاصم سجاد اختر نے نشاندہی کی کہ یہ مشاورتی اجلاس بھی معاشرے میں موجود تقسیم کو ظاہر کرتا ہے۔

مسلم لیگ ن کے رہنما عقیل ملک نے شرکاء کو جواب دیتے ہوئے کہا کہ حکومت نے قومی اسمبلی کے ضوابط میں دیے گئے قانون سازی کے عمل کی پیروی کی ہے۔ان کا کہنا تھا کہ یہ بل آرٹیکل 8 یا 199(4) کی خلاف ورزی کا باعث نہیں بنے گا۔

ایچ آرسی پی کی نائب چیئر نسرین اظہر نے شرکاء کا شکریہ ادا کیا۔

[پریس ریلیز۔لاہور۔10 اکتوبر 2024]

پرامن اجتماع کی آزادی سلب کی جارہی ہے

پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق (ایچ آر سی پی) نے سندھ حکومت سے مطالبہ کیا ہے کہ وہ کل کراچی میں سندھ رواداری مارچ میں حصہ لینے والے سول سوسائٹی کے کارکنوں پر ہونے والے تشدد کی فوری تحقیقات کرے۔ کراچی پولیس نے ایچ آر سی پی سندھ چیپٹر کے وائس چیئر قاضی خضر حبیب سمیت بیسیوں مظاہرین کو گرفتار کیا اور عورتوں سمیت کئی دیگر افراد کو جسمانی تشدد کا نشانہ بنایا۔

اگرچہ گرفتار ہونے والوں کو کچھ دیر بعد رہا کر دیا گیا مگر ایچ آر سی پی کا کہنا ہے کہ کراچی میں دفعہ 144 کا نفاذ سرے سے تھا ہی غیر ضروری۔ سندھ رواداری مارچ کا مقصد ڈاکٹر شاہ نواز کنبھر جنہیں توہین مذہب کے الزام میں گرفتار کر کے بعدازاں ایک پولیس افسر نے گولی مار کر قتل کر دیا تھا، کے لیے انصاف کی آواز بلند کرنے کی خاطر ایک پرامن احتجاجی مظاہرہ کرنا تھا۔ مارچ نے سندھ بھر سے ترقی پسند قوتوں کو اکٹھا کیا تھا۔ لہذا، اسے ترقی پسند اور جمہوریت پرست ہونے کا دعویٰ کرنے والی حکومت کی مکمل حمایت ملنی چاہیے تھی۔ اُلٹا، کئی مظاہرین کے خلاف مقدمہ درج کر دیا گیا ہے۔ اُن کے خلاف بھی جو پولیس کے تشدد کا نشانہ بنے۔ مقدمہ فوری طور پر خارج کیا جائے۔

دوئم، ہوسکتا ہے کہ مارچ کی مخالفت میں انتہائی دائیں بازو کی جماعت ٹی ایل پی کے احتجاج سے تصادم کا خطرہ پیدا ہوگیا ہو مگر ٹی ایل پی کی متشدد تاریخ اور توہینِ مذہب کے معاملے پر اس کے انتہاپسندانہ مؤقف کے پیشِ نظر یہ کہنا بجا ہے کہ تصادم کا خطرہ سندھ رواداری مارچ کے مظاہرین پر دھاوا بولنے کا جواز ہرگز نہیں ہوسکتا۔ بلکہ، کراچی پولیس کو تو چاہیے تھا کہ وہ ٹی ایل پی کے تشدد کی صورت میں مارچ کے پرامن مظاہرین کو تحفظ فراہم کرتی۔

اگرچہ، آئین پُرامن اجتماع کے حق کی ضمانت دیتا ہے مگر ریاست نے گذشتہ کئی برسوں کے دوران اس کی مسلسل خلاف ورزی کی ہے۔ دفعہ 144 کا من مانا اطلاق جاری ہے، خاص طور پر انسانی حقوق کے معاملات پر پُرامن اجتماعات کے خلاف۔ وفاقی وصوبائی حکومتوں کو سمجھنا ہوگا کہ وہ اس حق کی محافظ ہیں اور اس حیثیت سے پرامن اجتماع کی آزادی کی حفاظت وفروغ کی قانوناً پابند ہیں۔

[پریس ریلیز۔لاہور۔14 اکتوبر 2024]

ایچ آر سی پی کو 26ویں ترمیم کے ممکنہ اثرات پر تشویش ہے

پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق (ایچ آر سی پی) نے 21 اکتوبر کو منظور کیے گئے آئین (چھبیسواں ترمیمی) ایکٹ 2024، کے بعض پہلوؤں پر شدید تحفظات کا اظہار کیا ہے۔

اگرچہ یہ ترامیم پہلے کے مسودوں میں تجویز کردہ ترامیم کے مقابلے میں معتدل ہیں، تاہم ایچ آر سی پی کو اب بھی خدشہ ہے کہ اس ایکٹ سے عدلیہ کی آزادی متاثر ہوگی۔ سب سے پہلے، آئینی بنچز کے قیام اور ان کی تشکیل کے طریقہ کار پر سنگین تحفظات ہیں، کیونکہ عملی طور پر یہ خدشہ ہے کہ ان بنچز کی ساکھ براہ راست سیاسی دباؤ کے زیراثر آسکتی ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ پاکستان کے چیف جسٹس کے نامزدگی کے لیے خصوصی پارلیمانی کمیٹی کی تشکیل (جو کہ سینیٹ اور قومی اسمبلی کے ارکان پر مشتمل ہوگی اور ان کی جماعتوں کی تناسبی نمائندگی کے مطابق ہوگی) حکومت وقت کو ایک خطرناک برتری فراہم کرتی ہے، جس کے نتیجے میں عدلیہ حکومت کے زیرِ اثر آسکتی ہے، جو آئی سی سی پی آر کے تحت کے آرٹیکل 14 کے تحت پاکستان کی ذمہ داریوں کے خلاف ہے۔

ایچ آر سی پی کو آرٹیکل (3)184 میں ترمیم پر کوئی اعتراض نہیں ہے جس کے تحت آئینی بنچ از خود نوٹس کا اختیار استعمال نہیں کرسکیں گے۔ ایچ آر سی پی یہ بھی تسلیم کرتا ہے کہ آرٹیکل 9 اے، جو صاف، صحت منداور پائیدار ماحول کے حق کو ایک بنیادی حق قرار دیتا ہے، ایک ایسی اہم ترمیم ہے جس کی طویل عرصے سے ضرورت تھی۔ حکومت کو اسے فوری طور پر نافذ کرنا چاہیے۔

ایچ آر سی پی کو سب سے زیادہ تشویش ان الزامات پر ہے جو حزبِ اختلاف کی جانب سے اس ایکٹ کی منظوری کے لیے حمایت حاصل کرنے کے حوالے سے دباؤ ڈالے جانے سے متعلق ہیں۔ یہ الزامات انتہائی سنگین ہیں اور ان افراد کے ضمیر پر بھاری ذمہ داری عائد کرتے ہیں جنہوں نے اس ایکٹ کی تجویز دی تھی۔ ان الزامات کو نظر انداز نہیں کیا جانا چاہیے۔ ایچ آر سی پی ایک بار پھر اس بات پر زور دیتا ہے کہ بل کے واحد، سرکاری مسودے پر عوامی بحث، جو کہ کسی آئینی ترمیم کے لیے ضروری ہے، کا نہ ہونا اس کے مقصد کی ساکھ پر بھی سوالات اٹھاتا ہے۔

[پریس ریلیز۔لاہور۔22 اکتوبر 2024]

نجی کالج میں مبینہ زیادتی کا واقعہ

ایچ آر سی پی کی فیکٹ فائنڈنگ رپورٹ

کیس کا پس منظر اور ٹائم لائن

13 اکتوبر 2024: ڈی آئی جی آپریشنز لاہور نے ایک بیان میں کہا کہ پنجاب پولیس نے شہر کے ایک نجی کالج میں تعینات ایک سکیورٹی گارڈ کو گرفتار کر لیا ہے، جس پر ایک طالبہ کے ساتھ مبینہ زیادتی کا الزام ہے۔ متعدد میڈیا چینلز نے اس بیان کی رپورٹنگ کی اور یہ بھی کہا کہ پولیس نے یہ اقدام سوشل میڈیا پر خبریں سامنے آنے کے بعد کیا۔ پولیس کے مطابق، تاحال متاثرہ لڑکی کی تلاش جاری ہے۔

13 اکتوبر 2024: اے آر وائی نیوز کی ایک رپورٹ میں دعویٰ کیا گیا کہ پنجاب کالج کیمپس نمبر 10 کی ایک طالبہ کے ساتھ مبینہ طور پر زیادتی کی گئی ہے۔ رپورٹ میں کہا گیا کہ یہ واقعہ اس وقت پیش آیا جب بریک کے دوران اسے غلطی سے تہہ خانے میں بند کر دیا گیا، اور اس کی چیخیں سن کر ایک مرد استاد موقع پر پہنچا۔ اے آر وائی نیوز کے مطابق، گارڈ جس کا نام عون بتایا گیا ہے، موقع سے فرار ہو گیا جبکہ متاثرہ لڑکی کو انتہائی نگہداشت میں رکھا گیا ہے۔[1]

باکس: سوشل میڈیا مواد جو ممکنہ طور پر طالب علموں کے احتجاج کا سبب بنا

13 اکتوبر تک (اور ممکنہ طور پر اس سے پہلے) متعدد سوشل میڈیا اکاؤنٹس — جو زیادہ تر طالب علموں اور انفلوئنسرز کے زیرِ انتظام تھے — نے اسی نوعیت کی تفصیلات پوسٹ کرنا شروع کر دی تھیں، جن میں 'انصاف کے لیے' جیسے مطالبات بھی شامل تھے۔[2] ان میں سے کچھ نمایاں اکاؤنٹس (جن میں سے بہت سے بعد میں حذف کر دیے گئے) میں Ahsenetix، Sarcaxxm اور noormnk شامل تھے۔ بعد ازاں، pgc_victim جیسے نئے اکاؤنٹس سامنے آئے، جنہوں نے دعویٰ کیا کہ ایک لڑکی کے ساتھ سکیورٹی گارڈ نے زیادتی کی، طلباء نے چیخیں سنی تھیں اور موقع پر ایمبولینس بھی موجود تھی، اور یہ کہ متاثرہ لڑکی انتہائی نگہداشت میں ہے، یا تو زندہ یا مردہ۔ اس کے ساتھ یکجہتی اور دعا کی اپیلیں بھی شامل کی گئیں۔

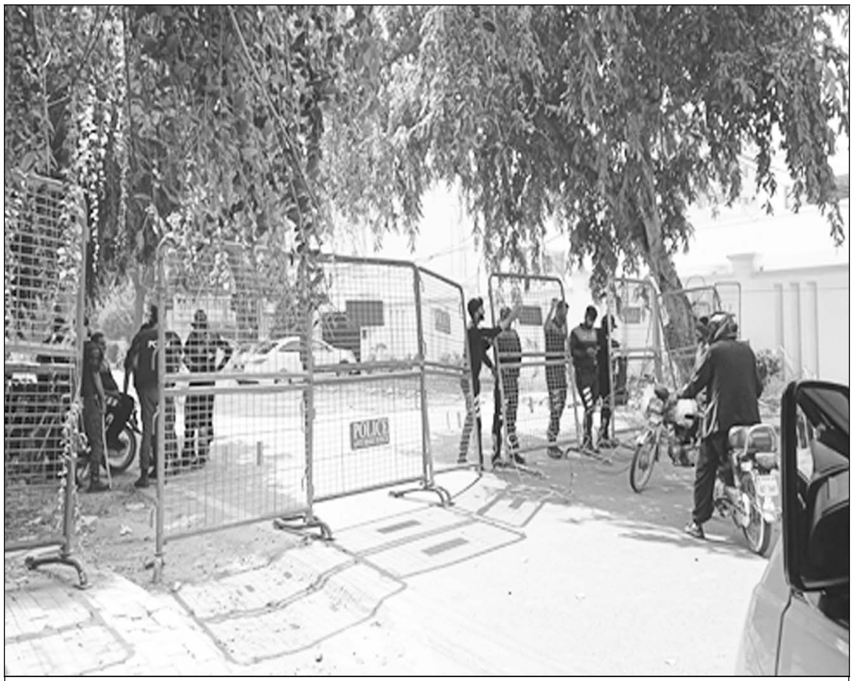

کیمپس 10 کا مرکزی دروازہ اینٹی رائٹ پولیس کے ذریعے 17 اکتوبر کو بلاک کر دیا گیا

سوشل میڈیا پر بڑی تعداد میں پوسٹ کی گئی معلومات میں کالج کے ردِعمل کا بھی ذکر کیا گیا ہے، جس میں پرنسپل کی ایک ویڈیو شامل تھی جس میں مبینہ طور پر ایک طالب علم کا موبائل فون توڑ دیا گیا تاکہ شواہد کو حذف کیا جا سکے، انتظامیہ کی جانب سے طلباء کو دھمکانے والے وائس نوٹس، اور اساتذہ و انتظامیہ کے پیغامات کے اسکرین شاٹس شامل تھے جن میں طلباء کو معطلی اور 'سنگین نتائج' کی دھمکیاں دی گئیں۔ مزید برآں، پوسٹس میں دعویٰ کیا گیا کہ واقعے کی سی سی ٹی وی فوٹیج حذف کر دی گئی ہے اور جس تہہ خانے میں یہ واقعہ پیش آیا تھا، اسے دھو دیا گیا ہے۔ طلباء کا دعویٰ تھا کہ ان پر خاموش رہنے کے لیے دباؤ ڈالا جا رہا ہے اور اس نوعیت کے پیغامات کالج گروپس سے آن لائن پوسٹ کیے گئے۔ اس دوران، ایک دھندلی ویڈیو بھی گردش کرنے لگی جس میں ایک نامعلوم لڑکی کو نجی اسپتال (ایورکیر) لے جاتے ہوئے دکھایا گیا، جس کی نگرانی کالج کے سکیورٹی اہلکار کر رہے تھے۔ ان متعدد پوسٹس کے نتیجے میں، بہت سے طلباء یہ یقین کرنے لگے کہ واقعی ایک جنسی زیادتی کا واقعہ پیش آیا ہے اور کالج اسے چھپانے کی کوشش کر رہا ہے۔

14 اکتوبر 2024: پنجاب گروپ آف کالجز کے سامنے ایک خاتون طالبہ کے ساتھ مبینہ زیادتی کے خلاف طلباء نے احتجاج کیا۔ یہ مظاہرے جلد ہی پرتشدد ہو گئے جب ڈی ایس پی اور کالج کے عہدیداروں کی جانب سے مظاہرین کے خلاف سخت کارروائی کی وارننگ دی گئی۔ سوشل میڈیا پر ایسی ویڈیوز گردش کرنے لگیں جن میں اینٹی رائٹ پولیس اور دیگر پولیس اہلکاروں کو طلباء پر تشدد کرتے ہوئے دکھایا گیا، جس کے نتیجے میں 28 افراد زخمی ہوئے۔[3]

14 اکتوبر 2024: پنجاب کے وزیر برائے اعلیٰ و اسکول تعلیم، رانا سکندر حیات نے مظاہرین سے ملاقات کے لیے کالج کا دورہ کیا اور مندرجہ ذیل بیان دیا:

پرنسپل نے ویڈیو شواہد کو حذف کیا، کیمرے بند کیے اور یہ کہ لڑکیوں کے پاس پرنسپل اور کوآرڈینیٹر کے ویڈیو اور آڈیو پیغامات موجود ہیں۔ انہوں نے کہا کہ بیٹیوں کا تحفظ ہر ادارے میں ضروری ہے اور انصاف کو یقینی بنایا جائے گا۔ کالج کی رجسٹریشن معطل کر دی گئی ہے اور اگر انہوں نے جرم کیا ہے تو ان کی تمام رجسٹریشنز منسوخ کرنی چاہئیں۔[4]

1 https://arynews.tv/security-guard-arrested-for-raping-college-student-in-lahore/

2 ان پوسٹس کے اصل وقت کا تعین نہیں کیا جا سکتا کیونکہ ان میں سے بہت سے اکاؤنٹ بعد میں حذف کر دیے گئے تھے

3 https://www.dawn.com/news/1865270

4 https://www.instagram.com/meganews.tv/p/DBGt2tZiiO2

14 اکتوبر 2024: احتجاج کے دوران ایک ڈی ایس پی کی ویڈیو منظر عام پر آئی جس میں انہوں نے (خواتین) طلباء کو تنبیہ کی کہ کلاسز میں واپس چلی جائیں 'ورنہ کوئی نیا واقعہ پیش آ سکتا ہے۔' بعد میں یہ حکومتی بیانیہ سامنے آیا کہ واقعہ صرف غلط معلومات پر مبنی تھا اور کوئی 'متاثرہ' نہیں تھی۔ ڈی آئی جی آپریشنز فیصل کامران نے ایک پریس کانفرنس میں کہا کہ کوئی ایسا متاثرہ فرد نہیں تھا جس کی بنیاد پر ایف آئی آر درج کی جا سکے۔[5]

14–15 اکتوبر 2024: اے ایس پی شہر بانو نقوی نے دو ویڈیو بیانات جاری کیے، جن میں دوسرے بیان میں مبینہ متاثرہ لڑکی کے والد اور چچا موجود تھے، دونوں نے واقعے کی تردید کی۔

15 اکتوبر 2024: پولیس نے سوشل میڈیا پر ایک سرکلر جاری کیا، جس میں مبینہ متاثرہ خاتون یا کیس کے بارے میں مزید معلومات طلب کی گئیں، ساتھ ہی مخبر کی شناخت مخفی رکھنے کا وعدہ کیا گیا۔

15 اکتوبر 2024: پنجاب کی وزیر اطلاعات عظمیٰ بخاری نے واقعے کی تردید کرتے ہوئے پی ٹی آئی پر کیس کے حوالے سے 'افراتفری پھیلانے' کا الزام لگایا۔[6]

15 اکتوبر 2024: پنجاب گروپ آف کالجز کے ڈائریکٹر آغا طاہر اعجاز نے ایک ویڈیو بیان میں کہا کہ کیمپس 10 میں کسی قسم کی زیادتی کا واقعہ پیش نہیں آیا۔[7]

15 اکتوبر 2024: وزیر اعلیٰ پنجاب مریم نواز نے ایک اعلیٰ سطحی کمیٹی تشکیل دی، جس نے بعد ازاں تمام جنسی زیادتی کے دعووں کو مسترد کر دیا۔[8] کمیٹی کا کہنا تھا کہ یہ واقعہ غلط معلومات پر مبنی تھا۔

15–16 اکتوبر 2024: مبینہ متاثرہ لڑکی کو سوشل میڈیا پر شناخت کیا گیا، حالانکہ ان کے خاندان نے بعد ازاں اصرار کیا کہ ایسا کوئی واقعہ پیش نہیں آیا۔

16 اکتوبر 2024: وزیر اعلیٰ پنجاب نے ایک پریس کانفرنس میں زیادتی کے الزامات (اور سی سی ٹی وی فوٹیج کو حذف کرنے کے دعووں) کو 'ایک من گھڑت کہانی' قرار دیا۔ انہوں نے پی ٹی آئی پر غلط معلومات کی بنیاد پر پروپیگنڈا پھیلانے کا الزام لگایا اور ایف آئی اے سے ملوث افراد کے خلاف کارروائی کی درخواست کی۔ انہوں نے ایک ایسی طالبہ کو بھی پیش کیا جس نے پہلے مبینہ واقعے کا مشاہدہ کرنے کا دعویٰ کیا تھا لیکن اب اپنا بیان واپس لے لیا تھا۔[9]

مشن کے ضوابط کار

ان واقعات کے تسلسل کا نتیجہ شدید بداعتمادی اور شکوک کے ماحول کی صورت میں سامنے آیا، کیونکہ طلباء کا اصرار تھا کہ واقعہ پیش آیا تھا جبکہ حکومتی عہدیداران اور کالج انتظامیہ ان الزامات کی تردید کرتے رہے۔ اس پس منظر میں پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق (ایچ آر سی پی) نے محسوس کیا کہ کیمپس 10 میں ایسے کسی واقعے کے وقوع پذیر ہونے کی حقیقت معلوم کرنا ضروری ہے۔ چنانچہ 17 اکتوبر کو اے جی ایچ ایس لیگل ایڈ سیل کے اشتراک سے ایک فیکٹ فائنڈنگ مشن تشکیل دیا گیا۔ اس مشن میں صحافی فاطمہ رزاق، اے جی ایچ ایس کے ارکان روبینہ شاہین، قمر رامے، راحت گل اور ایچ آر سی پی کی سٹاف رکن حلیمہ اظہر شامل تھیں۔ مشن کے ضوابط کار مندرجہ ذیل تھے:

- مبینہ واقعے کے حقائق اور حالات کا جائزہ لینا اور اس کے پیش آنے کی تصدیق کرنا۔
- اس واقعے کی آزادانہ تحقیقات میں پولیس اور/یا کسی بھی متعلقہ حکومتی ادارے کے کردار کا جائزہ لینا اور یہ دیکھنا کہ کالج کے عملے اور انتظامیہ نے تحقیقات میں کس حد تک تعاون کیا۔
- یہ معلوم کرنا کہ کیا کالج میں اساتذہ یا کسی اور عملے کے خلاف ماضی میں طلباء نے ہراسگی یا جنسی زیادتی کی شکایات درج کرائی ہیں۔
- اس بات کا تعین کرنا کہ کالج میں ایسی شکایات کے حل کے لیے کوئی باضابطہ اور موثر نظام موجود تھا یا نہیں اور آیا خواتین طلباء کے تحفظ کے لیے کوئی اقدامات کیے گئے تھے۔
- یہ جانچنا کہ آیا مبینہ متاثرہ اور اس کے خاندان کو واقعے سے پہلے یا بعد میں دھمکایا گیا، ان پر دباؤ ڈالا یا کسی قسم کے اثر ورسوخ کا استعمال کیا گیا۔
- مبینہ واقعے کے خلاف طلباء کی جانب سے کیے گئے احتجاج کے دوران پولیس کی جانب سے طاقت کے استعمال کا جائزہ لینا۔

مبینہ واقعے کی جگہ کا دورہ (پنجاب گروپ آف کالجز، کیمپس 10)

17 اکتوبر کو، مشن نے مبینہ جائے وقوع کا دورہ کیا۔ موقع پر پولیس کے اینٹی رائٹ اہلکار، قیدیوں کی وین اور دیگر پولیس اہلکار موجود تھے، جنہوں نے ٹیم کو کیمپس میں داخل ہونے کی اجازت نہیں دی اور واقعے کے بارے میں کسی بھی طرح کے ریکارڈ شدہ بیانات دینے سے انکار کر دیا۔ اس وقت کیمپس بند تھا اور باہر کوئی مظاہرین موجود نہیں تھے جن سے ٹیم بات چیت کر سکتی۔

سرکاری عہدیداروں سے ملاقاتیں

مشن نے پولیس کے ساتھ باقاعدہ ملاقات کی درخواست کی تھی، مگر ڈی آئی جی آپریشنز سے رابطہ نہیں ہو سکا۔ اے آئی جی نے بھی ملاقات سے انکار کرتے ہوئے کہا کہ اس معاملے پر ڈی آئی جی اور وزیر اعلیٰ پریس کانفرنسز کے ذریعے پہلے ہی جواب دے چکے ہیں۔

احتجاجی مظاہروں کی رپورٹنگ کرنے والے صحافی کا انٹرویو

کیمپس 10 کے ناکام دورے کے بعد، مشن نے لائبہ زینب سے بات چیت کی، جو ڈیجیٹل میڈیا پلیٹ فارم نکتہ کی رپورٹر ہیں اور احتجاج کی رپورٹنگ کر رہی تھیں۔ زینب کے مطابق، احتجاج کی وجہ سوشل میڈیا پر چلنے والی پوسٹس تھیں اور ان کی تنظیم سوشل میڈیا چینلز کے ذریعے ہوئی۔ انہوں نے بتایا کہ 14 اکتوبر کو جن طلباء سے انہوں نے بات کی، ان کا دعویٰ تھا کہ 10 اکتوبر کو کیمپس میں ایک ایمبولینس کی آواز سنی گئی تھی۔ جب انہوں نے انتظامیہ سے واقعے کے بارے میں پوچھا تو کوئی جواب نہیں دیا گیا۔

زینب کے مطابق، شک وشبہات مزید بڑھ گئے جب 11 اکتوبر کو بعض طلباء نے رپورٹ کیا کہ کیمپس کی سیکیورٹی تبدیل کر دی گئی ہے اور کچھ اساتذہ نے طلباء کو ہدایت کی کہ وہ اکیلے پانی پینے یا واش روم جانے سے گریز کریں۔

اگرچہ زیادہ تر طلباء کا دعویٰ تھا کہ پرنسپل نے زبردستی 'ویڈیو شواہد' (جس میں ایک طالبہ کو ایمبولینس تک لے جانے کی ویڈیو شامل تھی) حذف کیے اور لوگوں کے فون توڑ دیے، زینب کا کہنا تھا کہ وہ اس مخصوص طالبہ کو تلاش کرنے میں ناکام رہیں—نہ تو کوئی نام معلوم ہو سکا اور نہ ہی کسی کالج سیکشن کی شناخت۔ مزید یہ کہ پرنسپل کی جانب سے ویڈیو شواہد حذف کرنے کا الزام صرف سنی سنائی باتوں پر مبنی تھا۔ انہوں نے مزید کہا کہ زیادہ تر طلباء جن سے پہلے بات چیت ہوئی تھی، اب ریاست کے مخالفانہ ردعمل کی وجہ سے گمنام رہنا چاہتے تھے۔ تاہم، زینب نے اس بات کی تصدیق کی کہ پولیس اور

5 https://dunyanews.tv/en/Pakistan/844048-no-evidence-of-college-students-assault-says-dig-operations

6 https://www.nation.com.pk/15-Oct-2024/azma-bokhari-denies-confirmation-of-alleged-rape-at-private-college

7 https://www.instagram.com/reel/DBHlxUTvqJl/?igsh=MThlMzVsdHdhOThraw==

8 https://tribune.com.pk/story/2503026/punjab-govt-report-clears-sexual-assault-claims-in-lahore-college-case

9 https://www.dawn.com/news/1865600

کالج کے سیکیورٹی اہلکاروں نے احتجاج کرنے والے طلباء پر طاقت کا غیر مناسب استعمال کیا، جس کے نتیجے میں کئی طلباء زخمی ہوئے۔ انہوں نے مزید کہا کہ 14 اکتوبر کو وزیر برائے اعلیٰ واسکول تعلیم، رانا سکندر حیات کے بیان اور 15 اکتوبر کو پولیس اور 16 اکتوبر کو وزیر اعلیٰ مریم نواز کے بیانات کے درمیان تضاد موجود تھا، خاص طور پر سی سی ٹی وی فوٹیج کے حوالے سے۔

مبینہ متاثرہ لڑکی کی والدہ سے گفتگو

15 اکتوبر تک، مبینہ متاثرہ لڑکی کو سوشل میڈیا پر 'ب' کے نام سے پہچانا جا چکا تھا۔[10] اگرچہ مشن نے ان سے ملنے کا ارادہ کیا، لیکن ب کے خاندان نے انکار کر دیا۔ لڑکی کی والدہ نے ٹیم کو بتایا کہ ان کی بیٹی کو غلط طور پر متاثرہ کے طور پر شناخت کیا گیا ہے، حالانکہ کالج سے اس کی غیر حاضری کی وجہ کمر کی چوٹ تھی جو 2 اکتوبر کو گھر میں سیڑھیوں سے گرنے سے آئی تھی۔ ب کو علاج کے لیے جنرل اسپتال اور پھر شریف اسپتال لے جایا گیا۔

لڑکی کی والدہ نے کہا، ’’ہم سب بہت پریشان اور بدحال ہیں۔ میری بیٹی نے اس وجہ سے بہت نقصان اٹھایا ہے۔ اب مجھے سمجھ نہیں آ رہا کہ میں کیا کروں۔ میری پانچ بیٹیاں ہیں اور اس منفی میڈیا توجہ نے ہماری ساکھ اور خاندان کی عزت کو برباد کر دیا ہے۔‘‘ انہوں نے مزید کہا کہ وہ اس افواہ کو پھیلانے والوں کے خلاف ’کارروائی‘ کریں گی۔ انہوں نے انصاف کی فراہمی کا بھی مطالبہ کیا۔ ’’میں نے یہی بات مریم نواز سے بھی کہی اور وہ اس حوالے سے کچھ کریں گی،‘‘ انہوں نے ٹیم کو بتایا۔ انہوں نے مشن کی ملاقات کی درخواست پر غور کرنے کا کہا، لیکن بعد ازاں انکار کر دیا۔

سوشل میڈیا کے ایک تجزیے سے ظاہر ہوتا ہے کہ ’ب‘ کی تصاویر سرخیوں کے ساتھ شیئر کی گئیں جیسے کہ 'ریسٹ ان پیس'، جبکہ ان کی میڈیکل رپورٹس بھی منظر عام پر آئیں۔ یہ دیکھتے ہوئے کہ دونوں رپورٹس 2 اور 3 اکتوبر کی ہیں — اور اس مدت کے ساتھ مطابقت نہیں رکھتیں جس دوران زیادتی کے الزامات لگائے گئے — ان کا متاثرہ ہونے کا امکان کم ہو جاتا ہے۔ یہ اب تک غیر واضح ہے کہ ان کا نام پہلی بار مبینہ متاثرہ خاتون کے طور پر کیوں اور کیسے سامنے آیا۔

پنجاب گروپ آف کالجز کے نمائندے سے ملاقات

مشن نے احتجاج میں حصہ لینے کا دعویٰ کرنے والے طلباء سے رابطہ کرنے کی کوشش کی، لیکن کسی نے ٹیم سے بات کرنے پر آمادگی ظاہر نہیں کی۔ اسی طرح، مشن کسی فیکلٹی ممبر سے بھی رابطہ نہیں کر سکا۔ تاہم، ٹیم نے پنجاب گروپ آف کالجز کے ڈائریکٹر آغا طاہر اعجاز کا انٹرویو کیا، جنہوں نے 15 اکتوبر کو ایک ویڈیو بیان جاری کیا جس میں کیمپس 10 میں جنسی زیادتی کے واقعے کی تردید کی گئی۔

کیمپس 10 کے قریب دیوار پر مبینہ واقعے سے متعلق تحاریر

جب ان سے پوچھا گیا کہ 14 اکتوبر کے احتجاج کیسے اور کیوں شروع ہوئے، تو انہوں نے وضاحت کی کہ کیمپس 10 کے طلباء نے ابتدائی طور پر کالج کے احاطے میں احتجاج کیا کیونکہ ان کا ماننا تھا کہ انتظامیہ نے مبینہ متاثرہ خاتون کو حراست میں رکھا ہوا ہے۔ چنانچہ تمام کمروں کو طلباء کے معائنے کے لئے کھولا گیا۔ جلد ہی، طلباء نے کالج کے باہر جمع ہونا شروع کر دیا، جن میں سے کچھ دیگر پنجاب گروپ کے کیمپس سے بھی آئے تھے۔ جیسے جیسے صورت حال بگڑتی گئی، کالج انتظامیہ نے اندر موجود طالبات کی حفاظت کے لئے گیٹ بند کرنے کا فیصلہ کیا۔

انہوں نے مزید کہا کہ احتجاج کرنے والے طلباء نے دعویٰ کیا کہ واقعہ تہہ خانے میں پیش آیا، جسے انہوں نے ناممکن قرار دیا کیونکہ یہ ایک کھلا پارکنگ ایریا ہے جہاں سی سی ٹی وی کیمرے لگے ہیں۔ انہوں نے مزید کہا کہ وہاں لوگوں کا اکثر آنا جانا رہتا ہے، جس سے یہ واقعہ ہونا مشکل دکھائی دیتا ہے۔

انہوں نے الزامات کے بارے میں کالج انتظامیہ کے ابتدائی ردعمل کی وضاحت کرتے ہوئے کہا کہ جس سیکیورٹی گارڈ پر مبینہ جرم کا الزام تھا وہ اس وقت چھٹی پر تھا۔ 13 اکتوبر کو پولیس نے پرنسپل کو کہا کہ سیکیورٹی گارڈ کو واپس بلایا جائے۔ اسے لاہور کے راستے میں گرفتار کیا گیا، تاہم اس کے خلاف کوئی ایف آئی آر درج نہیں کی گئی۔

جب ان سے پوچھا گیا کہ جب زیادتی کی افواہ سامنے آئی تو کالج انتظامیہ نے طلباء کو فوری طور پر اعتماد میں کیوں نہیں لیا تو ڈائریکٹر نے (واضح طور پر پریشان ہو کر) کہا: ’شروع میں، ہمیں لگا کہ اگر وہ]طلباء[کہہ رہے ہیں تو واقعہ ہوا ہوگا۔ آخر ہمارے بھی بچے ہیں۔‘ ایک بار جب الزامات سوشل میڈیا پر عام ہو گئے تو کالج انتظامیہ نے صورتحال کی تصدیق کے لئے سی سی ٹی وی فوٹیج کا جائزہ لیا اور 15 اکتوبر کو ایک بیان جاری کیا۔ انہوں نے یہ بھی دعویٰ کیا کہ پولیس نے ثبوت کے ساتھ چھیڑ چھاڑ کو روکنے کے لئے فوٹیج اپنی تحویل میں لے لی تھی۔

انہوں نے تسلیم کیا کہ صورت حال کو بہتر طور پر سنبھالا جا سکتا تھا لیکن یہ بھی کہا کہ انتظامیہ نے احتجاج کو روکنے کی کوششوں میں ’نظم و ضبط برقرار رکھنے‘ کے لئے ایسا کرنا ضروری سمجھا۔ ان کے بقول احتجاج کے بعد کسی طالب علم کو معطل نہیں کیا گیا، اور یہ کہ ادارے میں ہراسانی سے متعلق شکایات کو حل کرنے کے لئے ایک کمیٹی بھی موجود ہے (اگرچہ مشن اس کی تصدیق نہیں کر سکا)۔ انہوں نے اس لئے احتجاج کو ’غیر ضروری‘ قرار دیا۔

اعجاز نے مشن کو بتایا کہ مبینہ متاثرہ خاتون 3 اکتوبر سے کمر کی چوٹ کی وجہ سے چھٹی پر تھی۔ ایک ساتھی طالب علم نے اسے متاثرہ قرار دیا، لیکن اس کے خاندان نے کسی بھی ایسے الزامات کو عوامی طور پر مسترد کر دیا۔

مشن کے مشاہدات

مشن کے ساتھ رابطہ کرنے میں ہچکچاہٹ: طلباء، پولیس اور مبینہ متاثرہ کے خاندان کی جانب سے مشن سے بات کرنے سے انکار کے باعث واقعے کی مکمل تصویر فراہم کرنا مشکل ہو گیا۔ مشن کا خیال ہے کہ پنجاب حکومت کا یہ اعلان کہ وہ کسی بھی غلط معلومات پھیلانے والوں کے خلاف سخت کارروائی کرے گی، طلباء کی ایچ آر سی پی سے بات کرنے میں ہچکچاہٹ کی ایک ممکنہ وجہ ہو سکتی ہے۔

سرکاری بیانات میں تضادات اور ابہام: جو بات عیاں ہے وہ یہ ہے کہ وزیر برائے اعلی و اسکول تعلیم، رانا سکندر حیات، جو ابتدائی طور پر طلباء کے دعووں کی حمایت کر رہے تھے، اور بعد میں پولیس اور وزیر اعلیٰ کے بیانات، جنہوں نے الزامات کی تردید کی، نے صورت حال کو مزید بگاڑ دیا۔ کالج

10 اگرچہ اس کی عوامی سطح پر شناخت ہو چکی تھی، تاہم ایچ آر سی پی کا ماننا ہے کہ موجودہ حالات میں اس رپورٹ میں اس کا نام لکھنا غیر اخلاقی ہوگا۔ لہٰذا اس کا نام مخفی رکھا گیا ہے

انتظامیہ کے بیان کے اجراء میں تاخیر اور ایجوکیشن ڈیپارٹمنٹ کی جانب سے کالج کو 'ڈی نوٹیفائی' کرنے کی خبریں طلباء کے الزامات کو مزید تقویت دیتی ہیں۔ 11

احتجاجی طلباء کے خلاف طاقت کا استعمال: صورت حال اس وقت مزید خراب ہوگئی جب طلباء کو دھمکیاں دی گئیں اور انہیں پولیس کے تشدد کا سامنا کرنا پڑا، حالانکہ وہ نابالغ تھے: میڈیا رپورٹس کے مطابق کم از کم 28 مظاہرین کو مارا پیٹا اور زخمی کیا گیا۔ کم از کم ایک درجن طلباء کو کیمپس 10 اور لاہور کے دیگر کیمپسوں سے گرفتار کیا گیا۔ عورت مارچ کے رضا کاروں اور وکلاء نے والدین کو لاک اپ میں اپنے بچوں کو تلاش کرنے میں مدد کی۔

آن لائن فورمز، انفلوئنسرز اور اخلاقیات

مشن نے اس بات کا مشاہدہ کیا کہ مبینہ واقعے کے ساتھ آن لائن اسپیسز میں غیر معمولی سرگرمی دیکھی گئی۔ سوشل میڈیا اکاؤنٹس، براڈکاسٹ چینلز اور گروپس کے مشن کے تجزیے سے یہ بات سامنے آئی ہے کہ کچھ دوسرے فریقین نے طلباء کے بیانیے کو ہائی جیک کرنے اور اسے سوشل میڈیا پر اپنے مقاصد کے لئے استعمال کرنے کی کوشش کی۔ مثال کے طور پر، ایک وکیل جو بعد میں انفلوئنسر بن گیا تھا، نے کچھ طلباء گروپس کو غلط تاثر دیا کہ ان کے احتجاج عدالت کو پولیس کو متاثرہ لڑکی کو پیش کرنے کا حکم دینے پر مجبور کر سکتے ہیں۔ دیگر اکاؤنٹس، جن میں سے کچھ پی ٹی آئی سے وابستہ انفلوئنسرز کے زیر استعمال تھے، نے اس موقع کو پنجاب حکومت کو بدنام کرنے کے لئے استعمال کیا۔ اے آئی پر مبنی مواد کا نمایاں استعمال اخلاقی اصولوں کی خلاف ورزی اور فیکٹ چیکنگ کے فقدان کے خدشات کو جنم دیتا ہے۔ آخر کار، مشن کو اس بات پر تشویش ہے کہ ایک طالبہ 'ب' کی تصاویر کو اس کی رضامندی کے بغیر استعمال کیا گیا اور پھیلایا گیا۔ ایک اور کیس میں، احتجاج کے دوران زخمی ہونے والی ایک لڑکی کی تصاویر جو اسپتال میں علاج کے دوران لی گئیں، سوشل میڈیا پر اس کی رضامندی کے بغیر پھیلائی گئیں۔

نتائج اور سفارشات

فرانزک شواہد اور معتبر بیانات کی عدم موجودگی میں، مشن حتمی طور پر نہیں کہہ سکتا کہ مبینہ زیادتی ہوئی تھی یا نہیں۔ تاہم، طلباء کا ردعمل ان کے کیمپس پر سیکیورٹی کے بارے میں شدید عدم اطمینان، جنسی ہراسانی کا تسلسل اور متاثرہ کو مورد الزام ٹھہرانا، کیمپس انتظامیہ کی اس مسئلے کو حل کرنے میں بظاہر عدم دلچسپی اور پولیس اور کالج انتظامیہ پر عدم اعتماد کی نشاندہی کرتا ہے (جس کے بارے میں بہت سے طلباء کا ماننا ہے کہ انہوں نے جرم کو چھپانے کے لئے ملی بھگت کی تھی)۔ درحقیقت، طلباء کے غصے کی شدت کو صرف غلط معلومات کے کردار کی وجہ سے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ اس کے باوجود، غلط معلومات کے وسیع پھیلاؤ سے ہونے والے نقصان کی وجہ سے ڈیجیٹل لٹریسی اور فیکٹ چیکنگ کے بارے میں ٹھوس اور باقاعدہ عوامی مہمات کی ضرورت ہے۔ بدقسمتی سے، اس کیس کے جنسی تشدد کے متاثرین پر وسیع اثرات مرتب ہو سکتے ہیں۔ میڈیا، سوشل میڈیا صارفین اور پولیس کی طرف سے رازداری کی خلاف ورزیاں اس بات کا باعث بن سکتی ہیں کہ ایسے متاثرین آگے آنے سے گریز کریں۔ اس کے علاوہ، اس کیس کا استعمال کچھ حلقے غلط طور پر یہ دعویٰ کرنے کے لئے بھی کر سکتے ہیں کہ جنسی تشدد کے واقعات کو بڑھا چڑھا کر پیش کیا جاتا ہے — جو کہ ممکنہ طور پر حقیقت سے بعید ہے۔

مشن درج ذیل سفارشات پیش کرتا ہے:

- اکتوبر کے پہلے دو ہفتوں کے دوران کیمپس 10 میں جمع کی گئی سی سی ٹی وی فوٹیج کی فرانزک تحقیقات کی جائے اور نتائج کو عوامی سطح پر دستیاب کیا جائے۔
- احتجاجی طلباء کے خلاف تشدد اور ملزم (کیمپس 10 کے سیکیورٹی گارڈ) کو ایف آئی آر کی عدم موجودگی میں حراست میں لینے پر پولیس کو جوابدہ ٹھہرایا جائے۔
- کیمپس میں ہراسانی اور جنسی تشدد کے خدشات کو ہمیشہ سنجیدگی سے لیا جانا چاہیے۔ تمام تعلیمی اداروں کو یقینی بنانا چاہیے کہ انسداد ہراسانی کمیٹیاں (جس میں کم از کم 50 فیصد خواتین شامل ہوں) کیمپس میں مؤثر اور طلباء کی دسترس میں ہوں، اور طلباء کے رازداری کے حق کا ہر وقت احترام کیا جائے۔
- طلباء کو طلباء کونسلیں قائم کرنے اور چلانے کی اجازت ہونی چاہیے تاکہ انہیں اپنے خدشات کالج انتظامیہ تک پہنچانے کا موقع مل سکے۔
- حکومت کو ڈیجیٹل حقوق، ڈیجیٹل سیفٹی، غلط معلومات، گمراہ کن معلومات اور فیکٹ چیکنگ کو اسکول اور کالج کے نصاب میں شامل کرنا چاہیے تاکہ طلباء میں ڈیجیٹل لٹریسی کو بڑھایا جا سکے۔
- پنجاب ہتک عزت ایکٹ 2024 اور الیکٹرانک جرائم کی روک تھام کا ایکٹ 2016 جیسے قانونی ذرائع کا استعمال، خاص طور پر طلباء اور نابالغوں کے خلاف محتاط انداز میں کیا جانا چاہیے۔
- حکومت کو ایف آئی اے کی کارروائیوں میں شفافیت اور اس بات کو یقینی بنانا چاہیے کہ اس کیس کا سیاسی مقاصد کے لئے استعمال نہ کیا جائے۔

11 https://www.dawn.com/news/1865270

جہد حق پڑھنے والے توجہ کریں

- آپ نے اس شمارہ کا مطالعہ کیا۔ جو خامیاں / کمزوریاں آپ کو نظر آئی ہوں۔ ان کی نشاندہی خط کے ذریعے سے کیجئے۔
- آپ بھی اپنے علاقے میں ہونے والی انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں کی رپورٹ / اطلاع ہمیں اس رسالہ میں چھپنے والا رپورٹ فارم پُر کر کے بذریعہ ڈاک روانہ کر سکتے ہیں۔ حقائق اچھی طرح سے تصدیق کر کے لکھیں۔

HRCP کارکن متوجہ ہوں

''جہد حق'' کے لیے رپورٹ فارم کے مطابق کوائف پر مبنی رپورٹیں، خبریں، تصاویر اور انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں سے متعلق دیگر مواد مہینے کے تیسرے ہفتے تک پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق کے مرکزی دفتر میں پہنچ جانا چاہیے تاکہ یہ اگلے شمارے میں شائع کیا جا سکے۔

پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق

''ایوانِ جمہور'' 107 - ٹیپو بلاک،

نیو گارڈن ٹاؤن، لاہور

جہد حق کا تازہ شمارہ اور پچھلے شمارے ویب سائٹ پر موجود ہیں۔ پتہ:

www.hrcp-web.org

پاکستان کی صنفی اقلیتیں۔ایک غیر حل شدہ پہیلی

(سنیہ ضرار)

"ٹرانس جینڈر"

پچھلے کچھ سالوں میں لفظ "ٹرانس جینڈر" نے پاکستانی میڈیاء پر کافی اہمیت پائی پھر چاہے وہ سپریم کورٹ کا صنفی اقلیتوں کے لیے شناختی کارڈ کا حصول ہو یا پھر موجودہ سوشل میڈیاء پر نفرت انگیز تحریک، لفظ ٹرانس جینڈر بہر حال ہمارے معاشرے میں کافی توثیق پاتا رہا۔ ویسے تو ہمارا معاشرہ برصغیر کے ثقافتی خواجہ سراء تہذیب سے ہمیشہ سے باخبر رہا ہے اور خواجہ سراؤں کو کہیں تضحیک اور دعاؤں کی قبولیت کا وسیلہ سمجھا جاتا رہا، لیکن انٹرنیٹ کی فراوانی اور صحیح وغلط معلومات کے فروغ نے ہمارے معاشرے کو صنفی اقلیتوں کی طرف مزیداً الجھا دیا ہے۔

جنس (سیکس) اور صنف (جینڈر) کئی دہائیوں سے اور کئی مقامات پر آج تک متبادل طور پر استعمال ہونے والے الفاظ ہیں لیکن درحقیقت دونوں الفاظ دو الگ معنی رکھتے ہیں۔ آیئے اس پر تھوڑی سی نظر ڈال لیں۔ امریکن سائیکٹرکٹ ایسوسی ایشن (APA) جو کہ دنیا کا سب سے بڑا نفسیاتی ادارہ ہے، جنس (سیکس) اور صنف (جینڈر) کی تشریح اس طرح کرتا ہے۔

"صنف (جینڈر) سے مراد وہ احساسات اور رویے ہیں جو ایک دی گئی ثقافت کے مطابق کسی شخص کی جنس (سیکس) کے ساتھ منسلک ہوتی ہے" اور اسی طرح "جنس (سیکس) سے مراد وہ جسمانی اعضاء جو مردوں اور عورتوں میں فرق کرتی ہیں۔ جنس سے مراد خاص طور پر جسمانی اور حیاتیاتی ہیں، جب کہ صنف (جینڈر) سے مراد خاص طور پر سماجی یا ثقافتی خصلتیں اور رویئے ہیں"۔

لہٰذا عام زبان میں ایسے کہا جا سکتا ہے کہ جنس (سیکس) کا تعین انسان کے عضو تناسل اور صنف (جینڈر) کا فیصلہ انسان کا ذہنی ادراک کرتا ہے۔ بدقسمتی سے دونوں اصطلاحات کے درمیان فرق کو باقاعدگی سے نہیں دیکھا جاتا ہے اور اسی وجہ بہت سے نفسیاتی اور جنسی مسائل اور بیماریاں جنم لیتی ہیں اور بغیر تشخیص کیے رہ جاتی ہیں۔ ایک بات یہاں بتانا بہت لازمی ہے کہ امریکن سائیکیٹرکٹ ایسوسیئشن کی جنس (سیکس) اور صنف (جینڈر) کی یہ تشریحات عالمی ادارہ صحت اور ورلڈ سائیکاٹرسٹ ایسوسی ایشن سے تصدیق شدہ ھیں اور دنیا کے تمام رجسٹرڈ ڈاکٹر حضرات اس پر متفق ہونے کے ویسے ہی پابند ہیں جیسا کہ باقی تشخیصات اور تشریحات پر۔

اب ایک سرسری سی نظر، قابل ذِکر لفظ "جینڈر ڈسفوریاء" پر ڈالتے ھیں. امریکن سائیکٹرکٹ ایسوسئیشن کی ہی تشریح کے مطابق "جینڈر ڈسفوریاء ایسی نفسیاتی پریشانی، اُلجھن یا بےچینی ہے جو پیدائش کے وقت تفویض کردہ کسی کی جنس اور کسی کی صنفی شناخت کے درمیان تضاد کے نتیجے میں ہوتی ہے" اگرچہ جینڈر ڈسفوریاء اکثر بچپن میں شروع ہوتا ہے، لیکن کچھ لوگوں کو بلوغت کے بعد یا بہت بعد تک اس کا تجربہ نہیں ہوتا۔ اسی طرح ایک اور قابل ذِکر لفظ "ٹرانس جینڈر" سے مراد وہ شخص ہے جس کی پیدائش کے وقت تفویض کردہ جنس (یعنی پیدائش کے وقت ڈاکٹر کی طرف سے تفویض کردہ جنس، جو کہ عام طور پر بیرونی اعضاء تناسل پر مبنی ہوتی ہے) ان کی صنفی شناخت سے میل نہیں کرپاتی اور اس کی اب تک کی تحقیق شدہ وجوہات میں حمل کے دوران ماں کے جسم میں ھارمونز کی کمی وزیادتی، یا دوران حمل بچے کے ذھن کی مخالف جنس کی طرف تعمیر ہے. جینڈر ڈسفوریاء مختلف افراد میں مختلف شِدت سے نمودار ہوتا ہے۔ شِدت اتنی کم بھی ہوسکتی ہے کہ نفسیاتی معالج کے کچھ سیشن، اس حالت کو کچھ عرصے کے لیے کنٹرول کر سکتے ھیں اور شِدت اس قدر زیادہ بھی ہو سکتی ہے کہ نفسیاتی معالج فوراً جنس دُرستگی کے آپریشن کے لیے کاسمیٹک سرجن یا جنرل سرجن کے پاس ریفر کر دیتے ہیں جو اس شخص کی وجائنو پلاسٹی کا آپریشن کر کے اس کو عورت کا جنس تفویض کر دیتے ھیں یا دوسری صورت حال میں مریض کی فیلو پلاسٹی کا آپریشن کر کے اس کو مرد کا جنس تفویض کر دیا جاتا ہے۔ یہاں یہ بات لازمی یاد رکھنا ضروری ھے کہ جینڈر ڈسفوریاء سے متاثر ہر شخص کو جنس دُرستگی کے آپریشن کی ضرورت نہیں پڑتی، بیشتر کیسّز میں صِنف (جینڈر) جس طرف مائل ہوتی ہے اس لحاظ سے زندگی کو ڈھال لینے سے یا کچھ کیسز میں مطلوبہ صنف کی ہارمونل تھراپی کے ذریعے جینڈر ڈسفوریاء پر قابو پا لیا جاتا ہے لیکن جہاں جنس دُرستگی کے آپریشن کی ضرورت لاگو ہو وہاں اس آپرشن سے اجتناب کرنے سے جینڈر ڈسفوریاء سے متاثرہ شخص پر تشدّد رویہ اختیار کر جاتے ہیں اور بیشتر افراد خُودکشی کی حد تک پہنچ جاتے ہیں۔ سیریس پبلشنگ کی تحقیق کے مطابق ایسے افراد جو جینڈر ڈسفوریاء کا شکار ہوں، ان میں خُودکشی کا رُجحان تیس فیصد تک ہوتا ہے جو کہ خُودکشی کی باقی وجوہات کے مقابلے میں، بہت زیادہ ہے۔

اب ایک نظر پاکستان میں بسنے والے لاکھوں کی تعداد میں خواجہ سراء افراد کی طرف آتے ہیں۔ اگر تاریخ کا مطالعہ کیا جائے تو یہی خواجہ سراء افراد ماضی میں عثمانیہ، مغلیہ اور صفوید سلطنتوں میں اعلیٰ عہدوں پر فائض رہے، اس وقت کے علماء کی منظوری پر انہیں شاھی خواتین کے احرام کی خدمت پر مامور کیا گیا۔ شاید اس زمانے کے سماجی لائحہ عمل بنانے والے اور دینی کارکنان کا جنس (سیکس) اور صنف (جینڈر) کے موضوع پر علم آج کے مقابلے میں بہت زیادہ تھا۔ شاید یہی وجہ تھی کہ تَب کے دینی علماء نے خواتین کا پردہ، خواجہ سراء افراد سے ممنوع قرار دیا۔ جاننا ضروری یہ ہے کہ یہ خواجہ سراء افراد کون تھے؟ آج بھی ہمارے معاشرے میں راہ چلتے خواجہ سراء کی بددُعا سے ہر کوئی ڈرتا ہے۔ آج بھی لوگ جنس اور صنف میں فرق جانے بناء، خواجہ سراء افراد کے بارے میں یہ رائے رکھتے ھیں کہ ان کو اللہ نے ایسا بنایا لہٰذا ان آزمائش زدہ افراد کی بددُعا سے بچنا چاہیے۔ جب ہم یہ کہتے ہیں کہ "اللہ نے ایسا بنایا" تو ہمارا ذہن فوراً ایسے افراد کے جنسی اعضاء کی طرف راغب ہوتا ہے۔ اور عموماً ان تمام خواجہ سراؤں کو "انٹر سیکس" سمجھا جاتا ہے۔ درحقیقت خواجہ سراؤں کے لیے لفظ "ٹرانس جینڈر" ہی صحیح تشریح ہے۔ صدیوں سے دبے ایسے افراد اب ایک کمیونٹی کی شکل اختیار کر چکے ہیں، اور اس معاشرے سے پوشیدہ کمیونٹی میں رہ کر اپنی زندگیاں گزارنے پر مجبور ہیں۔ زمانے کی جدت کے ساتھ اور گھریلو قبولیت کی بنا پر کچھ ٹرانس جینڈر افراد اس کمیونٹی کا حصہ نہیں بنتے اور اپنے آپ لیے صرف لفظ "ٹرانس جینڈر" یا "مُتجنّس" استعمال کرتے ہیں یا پھر جنس دُرستگی کے عمل سے گزر کر بحیثیت عام مرد یا عورت کے طور پر زندگی گزارتے ہیں۔

میڈی پلس ادارے کی آسان تشریح کے مطابق "انٹر سیکس ایک ایسی اصطلاح کا نام ہے جو مختلف حالتوں کے لیے استعمال ہوتی ہے جس میں ایک شخص ایسی جنسی اناٹومی (ساخت)، ہارمونز کی کمی بیشی یا جنیاتی ساخت کے ساتھ پیدا

ہوتا ہے جو پیدائش کے وقت "عورت" یا "مرد" کے خانوں میں فٹ نہیں ہوتی، یا عمر کے کسی دوسرے حصے میں ظاہر ہونا شروع ہو جاتی ہے"۔ دنیا کی تقریباً 50 فیصد آبادی انٹرسیکس ہے اور ایک ریسرچ کے مطابق اکاسی فیصد انٹرسیکس افراد کی صنفی شناخت کے مطابق ان کو جنس دُرستگی کے آپریشن کے عمل سے گزارنے کے بعد انہیں عام مرد یا عورت کے طور پر زندگی گزارنے دیا جاتا ہے ۔ ایک بات قابل غور یہاں یہ ہے کہ انٹرسیکس فرد کی بھی صنفی شناخت کے مطابق ہی اس کو جنس دُرستگی کے آپریشن کے عمل گزارا جاتا ہے ۔ تاحال انٹر سیکس کی چالیس سے زائد علامات کی تشخیص کی جا چکی ہے جن میں اکثر پیدائش کے وقت یا پھر بلوغت میں پہنچ کر یا اس کے بعد نمودار ہوئیں۔

امید ہے کہ اب تک جینڈر ڈسفوریاء، جنس (سیکس) اور صنف (جینڈر) کا فرق، ٹرانس جینڈر اور انٹرسیکس کا فرق اور مشابہت آپ کو کچھ حد تک سمجھ آ چکی ہو گی ۔ ایک آخری بات، ھم نے انٹرنیٹ کی فروانیت کے ساتھ بے تحاشا مغربی الفاظ سن کر ان کو اپنی عقل کے مطابق اپنے رنگ میں رنگنے کی کوشش کی ہے، جیسے لفظ "گے" یا لفظ "ہوموسیکشوئل" جو ہم جنس پرست افراد کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ ان الفاظ کو تقویت انگریز کے سامراجی نظام میں ملی۔ لفظ "گے" یا لفظ "ہوموسیکشوئل" سے مراد ایسے مرد یا خواتین ہیں جو جینڈر ڈسفوریاء کا ہرگز شکار نہیں ہوتے اور اپنی پیدائشی جنس اور صنف سے مطمئن ہوتے ہیں، البتہ اُن کی جنسی رُغبت اور خواھشات اپنی ہی جنس سے تعلق رکھنے والے افراد سے جُڑی ہوتی ہیں۔ لیکن یہاں ایک بات کا مواظانہ کرنا بہت ضروری ہے کہ کیا ایسے افراد جو جینڈر ڈسفوریاء کی آزمائش سے گزر رہے ہوں اور اپنی صحیح جنس کی جُستجو کی جنگ لڑ رہے ہوں اُن کو گے یا ہوموسیکشوئل کہنا نہ صرف بے عقلی ہے بلکہ درحقیقت ظُلم ہے کیونہ ان کی جنگ تو اپنی صنفی شناخت سے ہے نہ کہ اپنی جنسی رغبت سے۔ کیا ایسے افراد جو اپنے آپ کو مکمل مرد یا عورت تسلیم کرتے ہیں اور اپنی پیدائیشی جنسی اور صنفی شناخت سے مطمئن ہیں کو ٹرانس جینڈر، خواجہ سراء یا مُتجنّس کہنا دُرست ہے کیا؟ یہ فیصلہ آپ خود کریں۔

آج کل سوشل میڈیاء پر قوم لوط علیہ السلام کا حوالہ فوراً دیا جاتا ہے، لیکن واقعہ لوط علیہ السلام کی بنیاد تجارتی ناپ تول میں فراڈ، گاہک کے ساتھ دھوکہ دھی اور یہاں تک کہ مقامی مَردوں کا، تجارت کی غرض سے آئے گاہک مَردوں کا زنا بالجبر کرنا اِس حد تک بڑھ گیا کہ خدا کا عذاب نازل ہو گیا۔ عین اس عذاب سے ذرا پہلے لوط علیہ السلام کے پاس بیٹھے فرشتے جو خوبصورت مَردوں کا روپ دھار کر آئے تھے اور قوم لوط علیہ السلام ان کا بھی زنا بالجبر ہی کرنا چاہتے تھے۔ ہم اس سارے واقعے میں سے مَردوں سے مَردوں کے جسمانی تعلق کا تو فوراً حوالہ دے دیتے ہیں لیکن ریپ، زنا بالجبر، دھوکہ دہی اور فراڈ جو عذاب الٰہی کا پیش خیمہ تھی اُس حوالے سے کوئی واقعہ لوط علیہ السلام کو خاص منسلک کیوں نہیں کرتے، خیر یہ الگ موضوع ہے لیکن، ایسے افراد جو ٹرانس جینڈر، انٹرسیکس، خواجہ سراء یا مُتجنّس ہوں اُن کو قوم لوط علیہ السلام سے منسلک کرنا کیا واقعہ لوط کی تاریخ کو بگاڑنا نہیں؟ کیا قوم لوط علیہ السلام میں کوئی ایسے شواھد ملتے ہیں جن سے اِن کی قوم میں جینڈر ڈسفوریاء کی علامات پائی گئی ہوں؟ یا انٹرسیکس یا ٹرانس جینڈر افراد کی جنس درستگی کے عملیات کی وجہ سے عذاب نازل ہوا ہو؟ ہرگز نہیں۔ شاید یہ تحقیق گزرے ہوئے ادوار میں خلافتوں کے دور میں لوگوں کو سمجھ آ گئی تھیں، شاید یہ فرق آج کی اقوام جن میں ایران، مصر اور تُرکی شامل ھیں کو سمجھ آ چکا ہے تبھی اِن ملکوں میں جینڈر ڈسفوریا سے متاثر ٹرانس جینڈر افراد کو سرکاری امداد کے ذریعے خود کی تشخیص شدہ صنفی شناخت کے ساتھ زندگی گزارنے کا موقع دیا جاتا ہے۔ اسلامی جمہوریہ ایران اس کی ایک مثال ہے جہاں 80 کی دہائی میں امام خمینی نے جینڈر ڈسفوریاء سے لاحق افراد کی جنس دُرستگی کا نہ صرف فتواء جاری کیا بلکہ جنس دُرستگی کے تمام اخراجات کو حکومت کی ذمہ داریوں میں شامل کیا۔

ویسے تو حکومت پاکستان ۸۱۰۲ کا ٹرانس جینڈر قانون تو پاس کر دیا ہے، لیکن اس کو لاگو کرنے میں بہت قباحتیں ہیں۔

مختلف حلقوں کی مختلف رائے ہیں یہاں تک کہ صنفی اقلیتیں بھی اس قانون کی کء شِقوں سے متفق نہیں جس معاشرے میں ایک مسئلے کے بارے میں بے تحاشا رائے ہوں اور کوئی بھی رائے سو فیصد تحقیق پر مبنی نہ، جہاں ذہنی مسئلوں کو کوئی اہمیت نہ ملتی ہو، جہاں ڈاکٹر حضرات بھی صحیح بیان دینے سے قاصر وہاں شاید کبھی کوئی قانون نہ لاگو ہو پائے اور کوئی بھی کبھی بھی کسی بھی طرح کی غلط فہمی پھیلا کر معاشرے میں اشتعال پھیلا سکتا ہے۔

پاکستان: 26ویں آئینی ترمیم پر یواین انسانی حقوق چیف کے تحفظات

اقوام متحدہ کے ہائی کمشنر برائے انسانی حقوق وولکر ترک نے پاکستان میں 26ویں آئینی ترمیم کی منظوری کے عمل پر خدشات کا اظہار کرتے ہوئے کہا ہے کہ آئینی اصلاحات جلد بازی میں نہیں ہونی چاہئیں اور اس معاملے میں انسانی حقوق کے بین الاقوامی قانون کو مدنظر رکھنا ضروری ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ حالیہ ترمیم سے قبل اس پر وسیع تر مشاورتی عمل اور بحث مباحثہ نہیں ہوا اور اس سے عدلیہ کی آزادی پر زد پڑنے کا خدشہ موجود ہے۔ ججوں اور وکلا کی آزادی پر اقوام متحدہ کی خصوصی اطلاع کار مارگریٹ سیٹرِ وائٹ بھی اس ترمیم پر تشویش کا اظہار کر چکی ہیں۔ انہوں نے 14 اکتوبر کو پاکستان کی حکومت کے نام لکھے خط میں کہا تھا کہ 26ویں آئینی ترمیم سے ملک میں عدلیہ کی آزادی اور مقدمات پر منصفانہ عدالتی کارروائی کا انفرادی حق متاثر ہو سکتے ہیں۔ ان کا کہنا تھا کہ عدلیہ سے متعلق اس آئینی ترمیم کی منظوری کے نتیجے میں مقدمات کے فیصلوں پر اپیل اور عدالتی جائزے تک رسائی کا حق محدود ہو جائے گا۔ جمہوریت کے تحفظ کے لیے آزاد اور غیر جانبدار عدلیہ کا وجود ضروری ہے اور آئینی ترمیم کرتے وقت اس بات کو خاص طور پر مدنظر رکھنا ضروری ہے۔

عدلیہ پر پارلیمانی بالادستی

آئینی ترمیم کی منظوری کے بعد پاکستان کے وزیراعظم محمد شہباز شریف نے کہا ہے کہ اس ترمیم کی بدولت لوگوں کو عدالتی نظام سے جلد انصاف ملے گا۔ مخصوص عدالتی بینچ کی تشکیل سے آئینی مقدمات پر فیصلوں میں ہونے والی تاخیر کا خاتمہ ہو گا اور عام آدمی کو سہولت میسر آئے گی۔ ملک کے وزیر قانون اعظم نذیر تارڑ نے ترمیم کا دفاع کرتے ہوئے کہا ہے کہ اس کے ذریعے پارلیمان کی بالادستی مضبوط ہوئی ہے۔ اس اقدام میں کسی طرح کی جلد بازی کا مظاہرہ نہیں کیا گیا بلکہ ترمیم کی منظوری سے قبل تمام متعلقہ فریقین کے ساتھ تفصیلی مشاورت ہوئی۔ ان کا کہنا ہے کہ اس ترمیم کی بدولت عدلیہ میں تقرریوں اور احتساب کے عمل کو مزید شفاف بنانے میں مدد ملے گی اور عدلیہ کی جانب سے پارلیمانی اختیارات میں مداخلت کی روش کا خاتمہ ہو گا۔

(بشکریہ یواین خبرنامہ)

خطرناک جال

ضرار کھوڑو

اس رپورٹ میں، اسپیشل برانچ نے اس گروہ پر منظم طریقے سے نوجوانوں کو توہینِ مذہب کے مقدمات میں پھنسانے کا الزام عائد کیا ہے

گزشتہ ہفتے اسلام آباد کے نیشنل پریس کلب میں ایک غیر معمولی پریس کانفرنس منعقد ہوئی۔ یہ کانفرنس ان والدین اور رشتہ داروں کی طرف سے تھی جن کے نوجوان بچے توہینِ مذہب کے الزامات میں جیل میں قید ہیں۔ ان کے اوپر الزام ہے کہ انھوں نے مبینہ طور پر سوشل میڈیا پر توہین آمیز مواد پوسٹ یا شیئر کیا۔ پریس کانفرنس کے شرکاء نے وفاقی حکومت سے مطالبہ کیا کہ وہ ایک تحقیقاتی کمیشن قائم کرے جو اس مبینہ "توہین مذہب کے کاروباری گروہ" کی سرگرمیوں کی جانچ پڑتال کرے جس نے ان کے پیاروں کو جھوٹے مقدمات میں پھنسا دیا ہے۔

ایسا کوئی گروہ صرف ان کی خیالی دنیا کا حصہ نہیں ہے اور نہ ہی وہ اپنے پیاروں کو سزا سے بچانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ یہ اصطلاح پنجاب پولیس کی اسپیشل برانچ کی ایک رپورٹ میں سامنے آئی ہے۔

اس رپورٹ میں، اسپیشل برانچ نے اس گروہ پر منظم طریقے سے نوجوانوں کو توہینِ مذہب کے مقدمات میں پھنسانے کا الزام عائد کیا ہے۔ اسپیشل برانچ کے مطابق، یہ گروہ ایسے 90 فیصد سے زائد مقدمات میں مورد الزام ٹھہرا ہے جو ایف آئی اے کے پاس رپورٹ ہوئے اور درج کیے گئے ہیں۔ ن جھوٹے مقدمات میں پھنسنے والے زیادہ تر نوجوان مسلمان لڑکے اور لڑکیاں ہیں، جن کی عمر بیس سال یا اس سے بھی کم ہے اور ان کا تعلق غریب یا نچلے متوسط طبقے کے خاندانوں سے ہے۔ پورے پاکستان میں ایسے سینکڑوں نوجوان جیلوں میں قید ہیں۔

عام طور پر اس عمل کا آغاز فیس بک اکاؤنٹس اور واٹس ایپ گروپس کے ذریعے ہوتا ہے جو بظاہر مذہبی امور پر بات چیت کے فورمز دکھائی دیتے ہیں۔ پھر مخصوص نوجوانوں کو ان گروپس میں شمولیت کی دعوت بھیجی جاتی ہے، اور یہ دعوت عام طور پر گروہ کی کسی خاتون رکن کے اکاؤنٹ سے آتی ہے۔

پنجاب پولیس نے ایک سنگین رپورٹ تیار کی ہے۔

یہاں تک تو سب بے ضرر لگتا ہے، لیکن آگے جو ہوتا ہے وہ خطرناک ہے: ایک متاثرہ نوجوان کے والد کے مطابق، ان کے بیٹے سے ایک خاتون نے رابطہ کیا اور آن لائن تعلقات قائم کر لیے۔ کچھ وقت بعد، اس خاتون نے اسے قابل اعتراض مواد بھیجا۔ جب اس نے اعتراض کیا تو خاتون نے دعویٰ کیا کہ اس کا فون ہیک ہو گیا تھا اور اس سے کہا کہ وہ اسے وہ مواد واپس بھیجے جو اس نے پوسٹ کیا ہے تاکہ وہ یہ جان سکے کہ وہ کس حوالے سے بات کر رہا ہے۔ جیسے ہی اس نے ایسا کیا، چند گھنٹوں کے اندر ایف آئی اے اس کے بیٹے کو توہین آمیز مواد پھیلانے کے الزام میں گرفتار کرنے پہنچ گئی۔

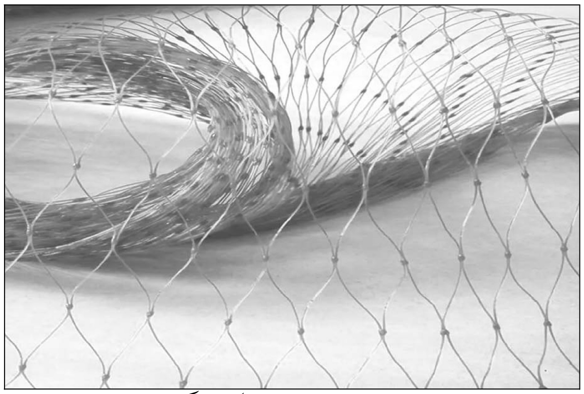

پریس کانفرنس میں موجود 40 سے زائد خاندانوں کی ایسی ہی کہانیاں سننے کو ملیں۔ تقریباً تمام خاندانوں کا کہنا تھا کہ ایف آئی اے نے ان کے پیاروں کے خلاف جس تیز رفتاری سے کارروائی کی، وہ اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ اس پورے جال میں ممکنہ طور پر اس کے کچھ اہلکار بھی ملوث ہو سکتے ہیں۔

تشویشناک لیکن شاید غیر متوقع نہیں، اس پریس کانفرنس کو ہمارے قومی میڈیا میں کوئی خاص توجہ نہیں ملی (میں نے ٹی وی پر کوئی خبر نہیں دیکھی اور پرنٹ میڈیا میں صرف ایک رپورٹ آئی)، اور خود اسپیشل برانچ کی رپورٹ کو بھی صرف ایک آزاد میڈیا ادارے Fact Focus نے کور کیا۔

جہاں تک اس گروہ کی وجوہات کا تعلق ہے، رپورٹ میں بھتہ خوری اور بلیک میلنگ کو ممکنہ مقاصد قرار دیا گیا ہے اور ایف آئی اے سے اس گروہ کے خلاف تحقیقات اور شکایت کنندگان کے موبائل فونز کا فرانزک تجزیہ کرنے کی سفارش کی گئی ہے۔

تشویشناک لیکن شاید غیر متوقع نہیں، اس پریس کانفرنس کو ہمارے قومی میڈیا میں کوئی خاص توجہ نہیں ملی (میں نے ٹی وی پر کوئی خبر نہیں دیکھی اور پرنٹ میڈیا میں صرف ایک رپورٹ آئی)، اور خود اسپیشل برانچ کی رپورٹ کو بھی صرف ایک آزاد میڈیا ادارے Fact Focus نے کور کیا۔ اس سے بھی زیادہ تشویشناک بات یہ ہے کہ یہ رپورٹ رواں سال جنوری میں ایف آئی اے، چیف سیکرٹری پنجاب اور وزیر اعلیٰ پنجاب کے سیکرٹری کو بھیجی گئی تھی، لیکن اس پر کوئی کارروائی نہیں کی گئی۔

گزشتہ صرف چند ماہ کے دوران ہم نے توہین مذہب کے نام پر کم از کم چار ہلاکتیں دیکھی ہیں۔ مئی میں، سرگودھا کے نذیر مسیح پر توہین مذہب کا الزام لگا اور اسے ایک ہجوم نے بری طرح زدوکوب کیا۔ اگرچہ پولیس نے اسے بچا لیا، مگر وہ بعد میں زخموں کی تاب نہ لاتے ہوئے دم توڑ گیا۔ جون میں، سوات میں ایک سیاح محمد اسماعیل پر مقدس آیات کی بے حرمتی کا الزام لگا، اور ایک ہجوم نے پولیس اسٹیشن میں گھس کر اسے قتل کر دیا۔ ستمبر میں، کوئٹہ میں عبدالعلی پر توہین مذہب کا الزام لگا، اور جب ایک مشتعل ہجوم نے اس پولیس اسٹیشن پر حملہ کیا جہاں وہ قید تھا، تو اسے ایک محفوظ مقام پر منتقل کیا گیا۔ وہاں ایک پولیس اہلکار نے اسے گولی مار دی، جسے بعد میں مقامی علماء، کارکنان، اور مذہبی سیاسی جماعتوں کے رہنماؤں نے ہیرو قرار دیا۔

پھر عمرکوٹ کے ڈاکٹر شاہنواز کنبھار کا واقعہ سامنے آیا، جن پر توہین مذہب کا الزام لگا اور پولیس نے انہیں ایک جعلی مقابلے میں ہلاک کر دیا۔ اس کے بعد مقامی ڈی آئی جی اور پولیس اہلکاروں کو مذہبی رہنماؤں نے مبارکباد دی اور ان کی عزت افزائی کی۔ لیکن اس کیس میں ایک واضح فرق ہے: کوئٹہ اور سوات کے واقعات کے برعکس، جہاں متاثرین کے خاندانوں نے قاتلوں کو معاف کر دیا، ڈاکٹر کنبھار کے خاندان نے انصاف کا مطالبہ کیا اور ہزاروں لوگ ان کی حمایت میں عمرکوٹ میں احتجاج کے لیے نکلے۔

اب، یقیناً، جواب کارروائی شروع ہو چکی ہے، وہی لوگ جو اس قتل کے محرک بنے، اب پولیس کا دفاع کرنے اور ان کے اقدامات کو جائز ٹھہرانے کے لیے صف بندی کر رہے ہیں۔ آخرکار، طاقت اور اس سے ملنے والی چھوٹ کو برقرار رکھنا ان کے لیے بہت ضروری ہے، چاہے اس کی قیمت کتنی ہی خوفناک کیوں نہ ہو۔

(بشکریہ ڈان)

ذہنی تناؤ، نفرت اور گندگی کی میراث: "مجھے لگتا ہے میرے بچے بھی سیور مین بنیں گے"

تنویر احمد

بائیس سالہ پیٹر مسیح لاہور کی بستی یوحنا آباد میں اپنی والدہ کے ساتھ رہائش پذیر ہیں اور ایک نجی پلازے میں صفائی کا کام کرتے ہیں۔ ان کے والد تین سال پہلے جگر کی بیماری میں مبتلا ہو کر انتقال کر گئے تھے۔

ان کے پانچ دیگر بھائی بھی سینٹری اور سیور ورکر ہیں۔

پیٹر بتاتے ہیں کہ ان کے والد سیور ورکر تھے۔ وہ نہیں چاہتے تھے کہ ان کے بچے سینیٹیشن ورکر بنیں بلکہ ان کی خواہش تھی کہ ان کے بچے پڑھیں اور کسی دوسرے شعبے میں کام کریں لیکن ایسا نہیں ہوسکا۔

"میرے والد مسلسل پریشان اور غصے میں رہتے تھے۔ شاید اسی وجہ سے نشہ کرنے لگے تھے اور عمر کے ساتھ نشے کی مقدار میں بھی اضافہ ہوتا چلا گیا۔ انہیں بیماریاں لاحق ہوگئیں اور مجھے پندرہ سال کی عمر میں صفائی کا کام کرنا پڑا، جو وہ نہیں چاہتے تھے۔"

پیٹر مسیح بھی دو سالوں سے نشہ کر رہے ہیں لیکن اپنی اس عادت کو وہ بُری سنگت کا نتیجہ قرار دیتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ ان کے ساتھ کام کرنے والے اکثر لوگ نشہ کرتے ہیں جس کی وجہ سے انہیں بھی لت پڑ گئی ہے۔

پیٹر یہ سمجھنے سے قاصر ہیں کہ ان کے والد نشہ کیوں کرتے تھے لیکن انہیں یہ ابھی تک یاد ہے کہ ان کے والد گٹر (مین ہول) کو 'موت کا کنواں' کہتے تھے۔

وہ دعویٰ کرتے ہیں کہ گٹر صاف کرنے والے ورکرز کی اکثریت نشے کی عادی ہے جبکہ ان کے ساتھی عمانوئل بھی اس بات سے اتفاق کرتے ہیں۔

عمانوئل 15 سال سے سیور ورکر ہیں اور لاہور میں فیروز پور روڈ سے ملحق چائنہ بستی کے رہائشی ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ نشہ اعصاب کو سُن کر دیتا ہے جس کے بعد کوئی بھی آدمی گندے سے گندہ اور خطرناک کام کر گزرتا ہے۔

وہ اس بات کی یوں وضاحت کرتے ہیں کہ جب انہوں نے سیور مین کا کام شروع کیا تو بدبو اور گندگی سے سخت پریشان رہتے تھے۔

پرانے ورکرز نے انہیں نشہ کرنے کا مشورہ دیا تھا جس پر کچھ عرصے تک انہوں نے عمل بھی کیا لیکن پھر اس سے نجات حاصل کر لی۔

ڈاکٹر عاصر اجمل، سائیکالوجسٹ اور گفٹ (گوجرانوالا انسٹیٹیوٹ آف فیوچر ٹیکنالوجیز) یونیورسٹی میں شعبہ سوشل

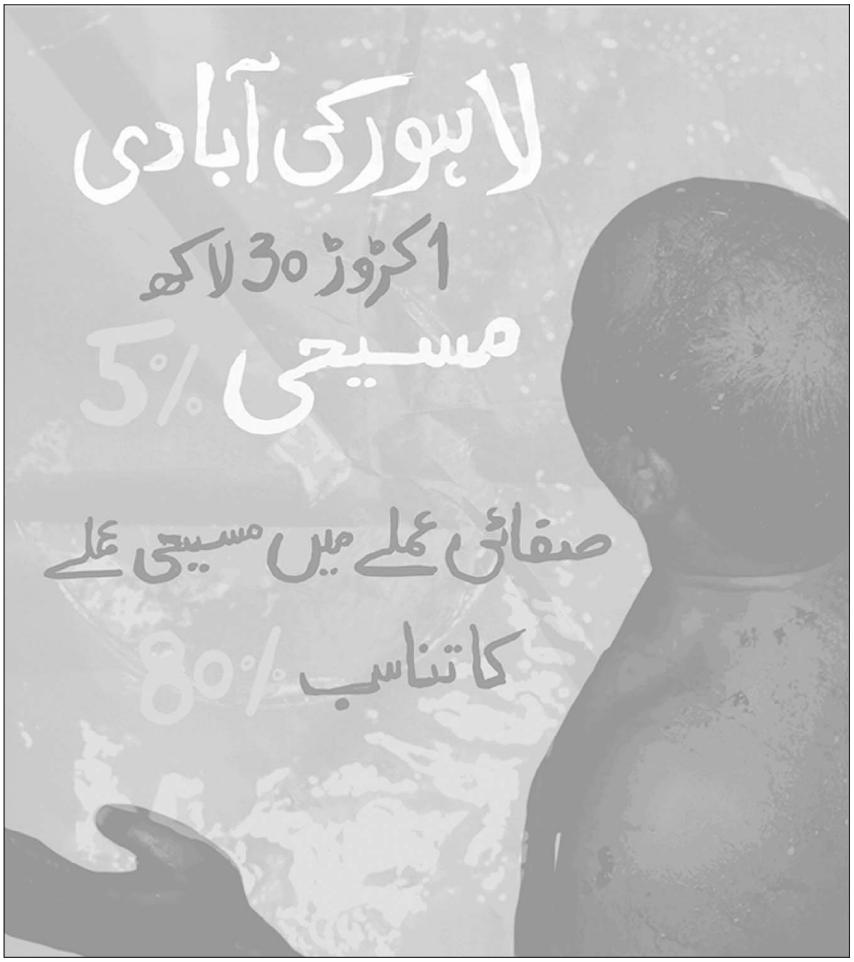

سائنسز کے ڈین ہیں۔ وہ نشے کے اس استعمال کو 'سیلف میڈیکیشن' قرار دیتے ہیں جو انتہائی تکلیف دہ صورت ہے۔

"سیور ورکرز جس ماحول میں کام کرتے ہیں انہیں تھراپی، نفسیاتی معالج اور کلینکل سائیکالوجی کی سہولتیں دستیاب ہونی چاہئیں جو ہمارے ہاں ناپید ہیں۔ ان حالات میں ان ورکرز کا رجحان نشے کی طرف ہو جاتا ہے۔"

ڈاکٹر عاصر اجمل کا ماننا ہے کہ یہ نشہ عیاشی نہیں بلکہ دفاعی صورت حال ہے۔ صفائی کے کام سے منسلک افراد کے نشے کی لت میں مبتلا ہونے کی ایک وجہ ان کے ساتھ ہونے والا امتیازی سلوک بھی ہے۔

سماج، حالات اور ذہنی دباؤ

اگست کی دوپہر عمانوئل والٹن روڈ پر ایک بستی میں گٹر صاف کر رہے تھے۔ وہ گٹر میں پہلے بانس چلاتے ہیں پھر آستینیں چڑھا کر سیور لائن میں ہاتھ ڈالتے ہیں اور اس میں پھنسے شاپر، اینٹیں کچرا وغیرہ باہر نکال لیتے ہیں۔

"یہ ہمارے کام کا سب سے آسان حصہ ہے کیونکہ گلیوں کے گٹر کی گہرائی کم ہوتی ہے جس میں زیادہ خطرہ نہیں ہوتا۔ تاہم بعض اوقات ان میں بھی شیشہ یا کوئی تیز دھار چیز لگنے سے ہاتھ پر زخم آجاتے ہیں"۔

واٹر اینڈ سینی ٹیشن ایجنسی (واسا) کے مطابق لاہور میں روزانہ تقریباً چھ ہزار 474 کیوسک گندے پانی کا اخراج ہوتا ہے جبکہ سیور لائنوں کی لمبائی تقریباً تین ہزار 610 کلومیٹر ہے۔

عمانوئل کہتے ہیں کہ سیور ورکر کا کام مشکل ہے لیکن وہ اسے کرنے پر مجبور ہیں کیونکہ مسیحی ہونے کے ناطے ان کی کمیونٹی کے لیے روزگار کے مواقع انتہائی کم ہیں۔

اس بات کی تصدیق پاکستان ورکر فیڈریشن کی سروے رپورٹ بھی کرتی ہے جس کے مطابق لاہور کی لگ بھگ ایک

کروڑ 30 لاکھ آبادی میں مسیحیوں کی تعداد تقریباً پانچ فیصد ہے۔ تاہم یہاں صفائی کرنے والے عملے میں ان کی تعداد 80 فیصد سے زیادہ ہے۔

عمانوئل کے خیال میں زیادہ تر مسیحی قبول کر چکے ہیں کہ وہ صرف کچرا اٹھانے اور گٹروں کی صفائی کا کام کر سکتے ہیں اس لیے اب اُن کی کوشش ہوتی ہے کہ وہ کسی سرکاری یا نجی ادارے میں ملازم ہو جائیں تا کہ ماہانہ تنخواہ وصول کر سکیں۔

پاکستان ورکر فیڈریشن نے حال ہی میں لاہور میں صفائی کا کام کرنے والوں کے حالات سے متعلق ایک سروے رپورٹ جاری کی ہے جس میں 200 کارکنوں کے انٹرویوز شامل ہیں۔

اس رپورٹ کے مطابق صفائی کرنے والے 78 فیصد کارکن (یعنی 200 کارکنوں میں سے 156) ذہنی تناؤ کا شکار پائے گئے۔ واسا میں صفائی کرنے والے 90 فیصد ورکرز کو ذہنی دباؤ کا سامنا رہا جبکہ لاہور ویسٹ مینجمنٹ کمپنی (ایل ڈبلیو ایم سی) کے 72 فیصد کارکنوں نے ایسا بتایا۔

لاہور میں سرکاری سطح پر صفائی ستھرائی کا کام ایل ڈبلیو ایم سی جبکہ سیور لائنوں اور مین ہولز کی صفائی واسا کے پاس ہے، جس کے زیادہ ملازمین ذہنی دباؤ کا شکار ہیں۔

دونوں اداروں کے کارکنان میں افسردگی اور نفسیاتی صدمے (ٹراما) کی واضح علامات پائیں گئیں۔ تاہم کچھ نے کہا کہ ' 'ہم اب اس کے عادی ہیں' ' اور کچھ نے بتایا کہ ' 'وہ اس لیے افسردہ ہیں کیوں کہ ہمارے آس پاس ہر کوئی افسردہ ہے۔''مرد کارکنوں کے مقابلے میں خواتین سینیٹری ورکرز میں ذہنی صحت کے مسائل زیادہ واضح تھے جن کا تناسب 91 فیصد تھا۔

رپورٹ میں یہ بھی بتایا گیا کہ انہی اداروں میں کام کرنے والے مسلمان ملازمین میں ذہنی دباؤ کا تناسب کم تھا۔

اعداد و شمار کے مطابق 80 فیصد مسیحی کارکنوں کو ذہنی تناؤ یا بیماری کا سامنا کرنا پڑا جبکہ مسلم عقیدے سے تعلق رکھنے والے 62 فیصد صفائی ملازمین کو ذہنی دباؤ یا بیماری کا سامنا کرنا پڑا۔

اس سروے رپورٹ کے مطابق جن ملازمین کی آمدن کم از کم اجرت کے قریب تھی ان میں ذہنی تناؤ کم اور جن کی تنخواہ تھوڑی تھی ان میں ذہنی دباؤ کی شرح زیادہ پائی گئی۔

پاکستان میں عام طور پر سینٹری ورکرز کے لئے دہری سماجی مشکلات ہیں۔

پہلی یہ کہ ان میں سے بیشتر مسیحی برادری سے تعلق رکھتے ہیں جنہیں مذہب کی بنیاد پر تعصب کا نشانہ بنایا جاتا ہے۔ جس کی وجہ سے پہلے مرحلے پر ہی وہ اکثریت سے کٹ جاتے ہیں۔

دوسری مشکل یہ ہے کہ گندگی میں کام کرنے کی وجہ سے سینٹری ورکرز کو اپنی کمیونٹی میں بھی امتیازی سلوک کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

عمانوئل تصدیق کرتے ہیں کہ سیور ورکر اور نسبتاً معاشی طور پر خوشحال اور دفاتر میں کام کرنے والے مسیحیوں کے مابین میل جول میں مسائل درپیش ہوتے ہیں۔ اسی لیے سیور ورکر اپنے جیسے لوگوں کے ساتھ رہنے کو ترجیح دیتے ہیں۔

ڈاکٹر عاصر اجمل کہتے ہیں "جب آپ ایسا کام کرتے ہیں جس میں زندگی کو خطرہ لاحق ہو اور سماج بھی آپ کو دھتکارنے لگے تو پریشانی یا انگزائٹی بڑھ جاتی ہے جو نا امیدی کو جنم دیتی ہے۔ لوگ ڈپریشن میں چلے جاتے ہیں اور راہ فرار کے لیے نشہ کرنے لگتے ہیں۔"

"ان کے پاس مہنگے نشے خریدنے کے وسائل نہیں ہیں اس لیے سستے اور غیر معیاری نشے سے زندگی کو لاحق خطرات بڑھ جاتے ہیں۔"

بطور سائیکالوجسٹ پیٹر کے والد کی موت کے بارے میں بھی ان کا یہی خیال ہے۔

ملک کے شہری یا صرف صفائی والے؟

صفائی ملازمین کے سب سے بڑی تعداد لاہور ویسٹ مینجمنٹ کمپنی سے وابستہ ہے جو فضلہ جمع کرنے، پروسیسنگ اور اسے ٹھکانے لگانے کا کام کرتی ہے۔

ٹریڈ یونین رہنماؤں کے اندازوں کے مطابق یہ تعداد 12 سے 14 ہزار کے درمیان ہے جن میں سے اکثر غیر مسلم ہیں۔

واسا کے صفائی عملے میں تقریباً دو ہزار 240 ورکر شامل ہیں جن میں سے زیادہ تر سیور لائنوں اور مین ہولز کی صفائی کرتے ہیں۔

اس کے علاوہ نجی کاروباری ادارے، ہسپتال، یونیورسٹیاں، شادی ہال، دفاتر وغیرہ براہ راست یا کنٹریکٹرز کے ذریعے صفائی کے لیے ملازمین رکھتے ہیں۔ ان میں بھی اکثریت مسیحی لوگوں کی ہوتی ہے۔

سرکاری ادارے ہوں یا نجی، ان سب میں ایک قدر مشترک ہے اور وہ یہ کہ کسی ادارے میں عملہ صفائی کو لیبر قوانین کے مطابق سہولیات میسر نہیں ہیں۔

ڈاکٹر عاصر اجمل کے بقول ایک کمیونٹی کو ''پلید یا ناپاک" قرار دے کر ایک مخصوص شعبے سے منسوب کر دیا گیا ہے۔

" گندگی کے کام کو مسیحی یا اقلیت سے منسوب کرنے کے پیچھے ذات پات اور اچھوت کے نظام کی سوچ ہے، جو مسلمانوں میں بھی چھوٹی ذاتوں کے ساتھ رویوں میں نظر آتی ہے جبکہ غیر مسلموں کے ساتھ یہ رویہ مذہبی شکل اختیار کر گیا ہے۔"

ڈاکٹر عاصر اجمل کا ماننا ہے کہ یہ کام اس اشتہار سے شروع ہوتا ہے جس میں لکھا ہوتا ہے کہ "صرف غیر مسلم اپلائی کریں۔"

سیوریج کا نظام پوری دنیا میں ہے لیکن کہیں ایسا اشتہار شائع نہیں ہوتا اور اوپر سے ان کے لیے حفاظتی اقدامات ہیں نہ ہی بہتر سہولیات۔

ڈاکٹر عاصر اجمل انگلینڈ میں سات سال نیشنل ہیلتھ سروس کے ساتھ بھی کام کر چکے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ جب وہ کریمنلز کے ساتھ یا کوئی ذہنی دباؤ والے کام کرتے تھے تو ان کے الاؤنسز، حفاظتی انتظامات اور چھٹیاں زیادہ ہوتیں تھیں۔

" لیکن یہاں ہم سب سے زیادہ مشکل اور تکلیف دہ کام کرنے والوں سے زیادہ کام لیتے ہیں اور انہیں سب سے کم سہولیات دیتے ہیں۔"

ورکر فیڈریشن کی رپورٹ تصدیق کرتی ہے کہ لاہور میں سینی ٹیشن ورکرز یا عملہ صفائی سے ڈیوٹی کی نسبت دو تہائی یعنی 68 فیصد زیادہ کام لیا جاتا ہے۔

سرکاری یا نجی کاروباری اداروں میں شاید ہی کوئی مستقل ملازم ہو، نہ ہی ان کے پاس معاہدے کا کوئی تحریری ثبوت ہوتا ہے۔

"ان ملازمین کو کوئی تربیت دی جاتی ہے اور نہ ہی انہیں حفاظتی سامان مہیا کیا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان میں سے بیشتر کو جلدی امراض، زخموں اور کچرے میں سانپ کاٹنے کے واقعات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔"

رپورٹ کے مطابق گٹروں (مین ہول) کی صفائی کرنے والوں کے لیے حالات اور بھی سنگین ہو جاتے ہیں اور بعض اوقات زہریلی گیسوں اور ڈوبنے کی وجہ سے اموات ہو جاتی ہیں۔

ڈاکٹر عاصر کے مطابق یہ ساری تکالیف اور پریشانیاں جسم کی حد تک ہوں تو برداشت کی جا سکتی ہیں۔ لیکن جب یہ ذہن پر اثر ڈالتی ہیں تو سوچنے سمجھنے کی صلاحیت متاثر ہوتی ہے اور انسان حقیقی دنیا سے خیالی دنیا میں چلا جاتا ہے جسے سائیکوسس (Psychosis)) کہتے ہیں۔

ماہرین نفسیات اس صورت حال کو مایوسی کا نام دیں، احساس محرومی کہیں یا ستم ظریفی، پیٹر مسیح کا خیال ہے کہ چونکہ ان کے والد گٹر لائنیں صاف کرتے تھے اس لیے وہ یہی کرتے ہیں اور شاید ان کے بچے بھی یہی کام کریں گے۔

دو کروڑ بدنصیب بچے

ڈاکٹر توصیف احمد خان

پاکستان دنیا کا دوسرا ملک ہے جہاں سب سے زیادہ بچے سکول نہیں جاتے

پاکستان دنیا کا دوسرا ملک ہے جہاں سب سے زیادہ بچے اسکول نہیں جاتے۔ ایک رپورٹ کے مطابق اسکول نہ جانے والے بچوں کی تعداد دو کروڑ سے زیادہ ہے۔ وزیراعظم شہباز شریف اور صدر آصف علی زرداری نے عالمی یومِ خواندگی کے موقعے پر اپنے روایتی پیغامات میں اس عزم کا اظہار کیا ہے کہ حکومت نے ایک دفعہ پھر ان بچوں کو اسکول بھیجنے کا تہیہ کیا ہوا ہے۔

سوال یہ ہے کہ موجودہ حکومت کو واقعی اپنی آئینی مدت پوری کرنے کا موقع مل گیا تو کیا واقعی اتنی بڑی تعداد میں بچے اسکولوں میں تعلیم حاصل کرسکیں گے؟ گزشتہ سال ساتویں مردم اور گھر شماری کے تفصیلی نتائج سے ظاہر ہوتا ہے کہ گزشتہ سال 23.37 فیصد بچے اسکول نہیں جاتے ہیں۔ ان اعداد و شمار کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ اسکول نہ جانے والے بچوں کی عمریں 5 سے 16 سال کے درمیان ہیں۔ اس رپورٹ میں یہ بھی بتایا گیا کہ 20.30 ملین بچے کبھی اسکول گئے ہی نہیں اور 5.34 ملین بچے اسکول میں داخل تو ہوتے ہیں مگر پانچویں جماعت تک پہنچتے پہنچتے یہ اسکول چھوڑ دیتے ہیں۔

میاں شہباز شریف نے وزیراعظم کا عہدہ سنبھالا تو ان اعداد و شمار کو دیکھ کر گزشتہ سال تعلیمی ایمرجنسی لگانے کا فیصلہ کیا۔ میاں شہباز شریف کی حکومت نے تعلیمی ایمرجنسی کو عملی جامہ پہنانے کے لیے جامع اقدامات کا فیصلہ کیا۔ ان اقدامات میں نصاب میں ٹیکنالوجی کو زیادہ سے زیادہ استعمال کرنا بھی شامل ہے۔ صدر آصف زرداری نے اس موقعے پر اپنے پیغام میں بے نظیر انکم سپورٹ پروگرام اور نچلے طبقات کے لیے تعلیمی وظائف کا خاص طور پر ذکر کیا۔ صدر کا کہنا ہے کہ ہر ضلع میں لڑکوں کے لیے 4 ہزار اور لڑکیوں کے لیے ساڑھے 4 ہزار روپے کے وظائف دیے جا رہے ہیں۔

ان وظائف سے 9.7 ملین بچے فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ اس عمر کے غریب طلبہ کو اعلیٰ تعلیم کے لیے 102,000 اسکالرشپ بھی دینے کی اسکیم شروع کی گئی، مگر ان بیانات کے باوجود پاکستان میں صورتحال خاصی خراب ہے۔

پاکستان خواندگی کے تناسب کے اعتبار سے قریبی ممالک سے خاصا پیچھے ہے۔ پاکستان میں خواندگی کا تناسب 62.3 فیصد ہے۔ ان اعداد و شمار کے مطابق مردوں میں یہ تناسب 72.5 فیصد اور خواتین میں تناسب 51.5 فیصد ہے جب کہ بھارت میں خواندگی کا تناسب 81 فیصد ہے۔ یہ بالغوں کی خواندگی کا تناسب ہے جب کہ 15 سے 24 سال کے نوجوانوں میں یہ تناسب 91.76 فیصد کے قریب ہے۔ اسی طرح بنگلہ دیش میں خواندگی کا تناسب 74.66 فیصد ہے (یہ اعداد و شمار 2022 کے ہیں)۔ جب کہ 15 سے 24 سال کی عمر کے نوجوانوں میں یہ تناسب 92 فیصد ہے۔

اسی طرح پاکستان اور پڑوسی ممالک سے تعلیمی بجٹ کا موازنہ کیا جائے تو یہ حقائق ظاہر ہوتے ہیں کہ پاکستان میں موجودہ مالیاتی سال کے لیے تعلیم کا بجٹ 103.7 بلین رکھا گیا ہے جو ملک کی جی ڈی پی کا 1.77 فیصد ہے جب کہ بھارت نے موجودہ مالیاتی سال کے لیے تعلیم کے لیے 12 بلین ڈالر کی رقم مختص کی ہے۔ یہ رقم کل بجٹ کا 2.5 فیصد ہے جب کہ بنگلہ دیش میں 2022 کے بجٹ میں جی ڈی پی کا 11.73 فیصد مختص کیا گیا تھا۔ بنگلہ دیش میں حالیہ بحران کی بناء پر تعلیم کے بجٹ میں کمی کی گئی ہے۔ یہ کل جی ڈی پی کا 1.69 فیصد کے قریب ہے۔

قیام پاکستان کے ساتھ ہی نئی ریاست نے خواندگی کی شرح کو صد فی صد کرنے کے بارے میں کوئی لائحہ عمل تیار نہیں کیا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ شعبہ تعلیم میں بجٹ کے کل جی ڈی پی کا بھی 1 فیصد سے کم رہا۔ جب یونیسکو اور دیگر بین الاقوامی مالیاتی اداروں کے ماہرین نے حکمرانوں کو سمجھانا شروع کیا کہ صد فی صد شرح خواندگی کا مقصد حاصل کیے بغیر غربت ختم نہیں ہوسکتی، ناپائیدار ترقی ممکن ہے۔ اس کے ساتھ ہی گزشتہ سال کے آخری عشرہ میں یونیسکو نے مسلسل اس بات پر زور دیا کہ ترقی پذیر ممالک میں تعلیم کے لیے کل بجٹ کا 5 فیصد جی ڈی پی تعلیم کے لیے مختص کرنا چاہیے۔

18 ویں ترمیم کے نفاذ کے بعد نیا قومی مالیاتی ایوارڈ N.F.C نافذ ہوا اور تعلیم کا شعبہ صوبوں کو منتقل ہوا تو تمام صوبوں کی آمدنی میں خاطر خواہ اضافہ ہوا۔ صوبوں نے اپنے بجٹ کا خاصا حصہ تعلیم کے لیے مختص کرنے کا بار بار اعلان کیا۔ صرف صوبہ سندھ کی مثال لی جائے تو صوبائی حکومت نے موجودہ بجٹ (2024-25) میں تعلیم کے لیے 454 بلین روپے مختص کیے، اگرچہ صوبے کی تعلیمی ضروریات کے لیے یہ رقم کم ہے مگر اتنی زیادہ بڑی رقم کے شفاف استعمال کے لیے خبریں ذرائع ابلاغ میں چھائی ہوتی ہیں۔ بتایا جاتا ہے کہ سندھ میں سرکاری اسکولوں کی کل تعداد 48,932 ہے جن میں سے 43 ہزار اسکول باقاعدہ کام کر رہے ہیں، باقی اسکول صرف کاغذات پر قائم کیے گئے ہیں۔

ان اسکولوں کی عمارتوں پر تعلیم دشمن عناصر کا قبضہ ہے۔ پولیس اور انتظامیہ ان اسکولوں میں تعلیم دشمن عناصر سے خالی کرانے میں قطعی طور پر ناکام رہی ہے۔ محکمہ تعلیم سندھ کے ڈائریکٹر جنرل مانیٹرنگ اینڈ انسپکشن زین العابدین انصاری کا کہنا ہے کہ پورے سندھ میں 6 ہزار 134 اساتذہ ایسے ہیں جو کبھی اپنے اسکول نہیں گئے مگر ان کے اکاؤنٹس میں باقاعدگی کے ساتھ تنخواہیں موصول ہوجاتی ہیں۔

اسی طرح افسروں نے سخت کوششوں کے بعد اس بات کا پتہ چلایا کہ سندھ کے 58 اساتذہ بیرون ممالک گئے ہوئے ہیں مگر حکومت سندھ ان غیر حاضر اساتذہ کو باقاعدہ تنخواہیں بھجواتی ہے۔ حکومت سندھ نے اسکولوں میں تعلیمی فیس مکمل طور پر معاف کی ہوئی ہے اور سندھ ٹیکسٹ بک بورڈ اسکولوں کے طلبہ کے لیے ہر سال اربوں روپے کی کتابیں شایع کرتا ہے مگر ہر سال مہینوں طلبہ کو کتابیں نہیں مل پاتی ہیں۔ پنجاب، بلوچستان اور خیبر پختون خوا میں بھی صورتحال انتہائی خراب ہے۔ بلوچستان خواندگی کے اعتبار سے دیگر صوبوں سے بہت پیچھے ہے۔ بلوچستان میں خواتین میں خواندگی کی شرح تو انتہائی تشویش ناک ہے۔ پختون خوا میں جنونی عناصر طالبات کے اسکولوں کو نشانہ بناتے ہیں۔

وفاق اور چاروں صوبوں کے تجزیے سے واضح ہوتا ہے کہ حکومت دو کروڑ بچوں کو اسکول میں داخل کرانے کے لیے سنجیدہ نہیں۔ ترقیات کے ماہرین کا کہنا ہے کہ یونین کونسل کی سطح سے ہر بچے کو اسکول میں داخل کرانے کے لیے اس کے والدین کو وظیفہ، اسکولوں میں بنیادی سہولتوں کی فراہمی، بچوں کو ناشتہ، یونیفارم اور کتابیں و کاپیاں فراہم کرنے کے لیے لائحہ عمل تیار ہونا چاہیے تاکہ والدین کو یہ احساس ہو کہ بچوں کو کام کے بجائے اسکول بھیجیں گے تو ان کا مالی نقصان نہیں ہوگا۔ بھارت، سری لنکا اور بنگلہ دیش وغیرہ میں حکومتوں نے غریب والدین کو اسی طرح کی مراعات دی تھیں۔ یہی وجہ ہے ان کے ہاں خواندگی کا تناسب اتنا بڑھ گیا۔ یہ بچے تعلیم کے ذریعہ Human Capital تیار ہوتا ہے اور یہ Human Capital ہی ترقی کا ضامن ہے۔ حکومت واقعی خواندگی کا تناسب صد فی صد کرنا چاہتی ہے تو اسے اپنی ساری پالیسیوں کو از سرِ نو ترتیب دینا ہوگا اور کرپشن کو ختم کرنا ہوگا۔ (بشکریہ ایکسپریس نیوز)

پانچ سالہ قبائلی تنازعہ

نوشکی نوشکی کلی جمالدینی میں 2 اکتوبر 2019 میں موٹر سائیکل ریسنگ پر جمالدینی قوم کے دوزیلی طائفون کرم زئی اور امیرزئی میں قبائلی تنازعہ شروع ہوا۔ پانچ سالہ قبائلی تنازعہ میں دونوں فریقین کے 8 نوجوان جاں بحق اور 8 زخمی ہوئے۔ دونوں فریقین کے جانب سے فائرنگ کے باعث خوف ہراس کی وجہ سے کلی کے باشندے پریشان تھے۔ نوشکی مرکزی جامع مسجد کے خطیب حافظ فرید احمد مینگل، میر عاقل خان بادینی اور سماجی رہنما غلام حیدر سمالانی کی چھ ماہ کی کاوشوں سے بلوچی روایات کے مطابق 13 اکتوبر کو بادینی ہاؤس میں ایک تقریب میں دونوں فریقین قرآن پاک کی زیارت کرتے ہوئے پنڈال میں پہنچے۔ صاحبزاد پروفیسر ظفر جان اور میر رسول خان بادینی نے دونوں فریقین کو بلوچی احوال کیا۔ ایڈووکیٹ میر عاقل خان بادینی نے دونوں فریقین کے جانب سے تنازعہ کا فیصلہ پڑھ کر سنایا۔ دونوں فریقین کو ثالثین نے بغل گیر کرایا اور اس طرح ثالثین کے کاوشوں سے پانچ سالہ خونی تنازعہ خوش اسلوبی سے حل ہوگیا۔ تقریب میں بڑی تعداد میں قبائلی عمائدین نے شرکت کی۔ (محمد

پاکستان: کان کنوں کے قتل پر اقوام متحدہ کے شعبہ انسانی حقوق کو تشویش

---- اقوام متحدہ کے دفتر برائے انسانی حقوق (او ایچ سی ایچ آر) نے پاکستان کے صوبہ بلوچستان میں مسلح افراد کے ہاتھوں 20 کان کنوں کی ہلاکت پر تشویش اور افسوس کا اظہار کرتے ہوئے اس واقعے کے ذمہ داروں کو قانون کے کٹہرے میں لانے کا مطالبہ کیا ہے۔ ادارے کے ترجمان تہمین الخطین نے پاکستان کے حکام پر زور دیا ہے کہ وہ بین الاقوامی انسانی حقوق کو مدنظر رکھتے ہوئے اس واقعے کے ذمہ داروں کے خلاف قانونی کارروائی کریں تا کہ مستقبل میں ایسے واقعات پیش نہ آئیں۔ ترجمان نے سیاسی جماعت پشتون تحفظ موومنٹ پر انسداد دہشت گردی سے متعلق قانون کے تحت پابندی پر بھی تشویش کا اظہار کیا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ حکومت بین الاقوامی قانون کے تحت اس اقدام پر فوری نظر ثانی کرے تا کہ آزادی اظہار و اجتماع کا احترام یقینی بنایا جا سکے اور انتظامیہ کے پاس ناجائز طور پر زیر حراست لوگ رہا ہو سکیں۔ انہوں نے حکام پر زور دیا ہے کہ وہ سیاسی مکالمے سے کام لیتے ہوئے نسلی اقلیتوں کی محرومیوں کا ازالہ کریں اور انسانی حقوق کے محافظوں کا تحفظ اور پر امن اظہار و اجتماع کا احترام یقینی بنائیں۔

محنت کشوں پر حملے

10 اکتوبر کو بلوچستان کے ضلع دکی میں نامعلوم مسلح افراد کی فائرنگ سے 20 کان کن ہلاک اور سات زخمی ہو گئے تھے۔ پولیس کے مطابق، ہلاک ہونے والے مزدوروں میں سے چار کا تعلق افغانستان جبکہ دیگر کا بلوچستان کے علاقوں ژوب، قلعہ سیف اللہ، پشین، موسیٰ خیل اور کچلاک سے تھا۔ اس حملے کی ذمہ داری تاحال کسی تنظیم نے قبول نہیں کی ہے۔ دکی صوبائی دارالحکومت کوئٹہ سے تقریباً 300 کلومیٹر فاصلے پر واقع ہے جس کی بیشتر آبادی پشتون نسل کے قبائل پر مشتمل ہے۔ یہاں کوئلے کے ذخائر ہیں جہاں بڑی تعداد میں مزدور کام کرتے ہیں۔ اس سے پہلے بھی دکی اور اس کے نواحی علاقوں میں کوئلے کی کانوں اور کوئلہ لے جانے والے ٹرکوں پر حملوں کے علاوہ مزدوروں کے اغوا اور سکیورٹی فورسز کو نشانہ بنانے جیسے واقعات پیش آتے رہے ہیں۔ رواں سال مئی میں یہاں بارودی سرنگ کے دھماکے میں دو مزدور ہلاک اور 17 زخمی ہو گئے تھے۔

(بشکریہ یو این خبرنامہ)

شہر کے بیشتر میڈیکل اسٹورز پر زائد المیعاد اور جعلی دواؤں کا کاروبار جاری

چمن بلوچستان کے سرحدی ضلع چمن میں زندگی بچانے والی دواؤں کے نام پر سیکڑوں میڈیکل اسٹورز میں سے بیشتر پر زائد المیعاد، ناقص اور جعلی دواؤں کا کاروبار کھلے عام جاری ہے جس کے باعث بیشتر شہریوں کی زندگیوں کو خدشات لاحق ہیں اور باقی کی زندگی بھی داؤ پر لگی ہوئی ہے۔ بیشتر میڈیکل اسٹورز ادویات کو مطلوبہ معیار کے تحت محفوظ نہ رکھ کر جرم کے مرتکب ہو رہے ہیں۔ اختر گلفام نے بتایا کہ ورلڈ ہیلتھ آرگنائزیشن اور حکومت پاکستان کے محکمہ صحت کے مطابق ہر میڈیکل اسٹور پر لازم ہے کہ وہ مستند افراد کو ملازم رکھیں، دواؤں کو دھوپ سے بچائیں، ڈیپ فریزر کا استعمال کریں اور صفائی ستھرائی کا خاص خیال رکھنے کے علاوہ ہر دوا کو تیس سینٹی گریڈ تک محفوظ بنائیں، تاہم اس معیار کا خیال نہیں رکھا جا رہا جس سے ادویات بے اثر ہو جاتی ہیں۔ ڈاکٹروں کے مطابق اس سے بیماریاں خطرناک حد تک بڑھنے کا تناسب تیس فی صد تک بڑھ جاتا ہے۔ باوثوق ذرائع کے مطابق پاکستان میں بننے والی ادویات پر تیس فی صد لاگت جب کہ ستر فی صد منافع ہوتا ہے، جس میں پچیس سے تیس فی صد ڈاکٹرز، پانچ فی صد سیمپل، دس فی صد ڈسٹری بیوٹر، ٹریڈ پرائس سے ریٹیل پرائس تک پندرہ فیصد میڈیکل اسٹورز کو دیا جاتا ہے۔ جب کہ ملٹی نیشنل کمپنیاں مبینہ طور پر نہ صرف فروخت کار نمائندوں کو پرکشش تنخواہیں بلکہ ڈاکٹرز کو دوا کا نسخہ لکھ کر دینے کی مد میں ڈسکاؤنٹ کے ساتھ مہنگے طبی آلات، بیرون ممالک کے دورے، گاڑیاں، ایئر کنڈیشنز اور یوٹیلٹی بلز اور پیشگی نقد بھی مہیا کرتی ہیں۔ اس وقت پاکستان بھر میں ایسی کوئی کمپنی موجود نہیں جو کہ بنا فوائد دیے مارکیٹ میں اپنا کاروبار جاری رکھ سکے۔ تمام کمپنیوں کی یہ روش مریضوں کے لیے تکالیف کا باعث ہے کیوں کہ ڈاکٹرز ایک دوا کے اثر نہ کرنے پر مریض کو دوسری دوا لکھ دیتے ہیں، یوں مریضوں پر تجربہ جاری رہتا ہے، یہاں تک کہ بیشتر ڈاکٹرز نے خود ہی مختلف کمپنیز سے 70 فی صد منافع پر فرنچائز حاصل کر کے کاروبار شروع کر دیا ہے۔ دوسری جانب اتائی ڈاکٹرز بھی ضلع میں کلینک قائم کر کے علاج کر رہے ہیں جبکہ ڈسٹرکٹ ہیلتھ آفیسر، ڈرگ انسپکٹر اور ضلعی انتظامیہ خاموش تماشائی بنے ہوئے ہیں۔ اہلیان چمن نے اسپیکر بلوچستان اسمبلی کیپٹن ر عبدالخالق خان اچکزئی، صوبائی وزیر صحت، ڈپٹی کمشنر حبیب احمد بنگلزئی سے مطالبہ کیا کہ نیٹ، غیر معیاری زائد المیعاد ادویات اور ان کو فروخت کرنے والے میڈیکل اسٹورز کے خلاف کارروائی کی جائے تا کہ عوام کو سہولت مل سکے۔

(محمد صدیق)

فائرنگ سے 15 افراد جاں بحق

پاراچنار ضلع کرم میں فائرنگ کے واقعات میں پندرہ افراد کے جاں بحق ہونے کے بعد فضا سوگوار اور حالات کشیدہ ہیں جبکہ آمد و رفت کے راستے بھی بند ہیں۔ پولیس ذرائع اور ضلعی انتظامیہ کے مطابق اپر کرم میں گاڑیوں پر فائرنگ کے واقعے کے نتیجے میں پندرہ افراد جاں بحق سات زخمی ہوئے تھے۔ واقعے کے بعد تاحال فضا سوگوار ہے اور علاقے میں حالات کشیدہ ہیں جبکہ پاراچنار پشاور مین شاہراہ سمیت آمد و رفت کے راستے چوتھے روز بھی بند ہیں جس سے علاقے کے لوگ شدید مشکلات سے دوچار ہیں۔ شاہراہ کی بندش کی وجہ پاراچنار اور اپر کرم میں پٹرول اور ادوایات کی قلت پیدا ہوگئی ہے جبکہ طلباء اور طالبات کی تعلیمی سرگرمیوں پر بہت برا اثر پڑا ہے کیونکہ تین روز بعد پشاور میں ایچ ای سی اور دیگر امتحانات ہو رہے ہیں۔ شاہراہ کی بندش کی وجہ سے وہ ان میں شامل ہونے سے محروم ہو رہے ہیں اور ان کا مستقبل تباہ ہو رہا ہے۔ اس سے قبل بھی پاراچنار اور اپر کرم کے طلباء ایم ڈی کیٹ اور انجینئرنگ اور پولیس بھرتی کے امتحانات میں شرکت سے محروم رہ گئے تھے۔ اسکے علاوہ مریضوں اور زخمیوں کو بھی مشکلات درپیش ہیں۔ علاقے کے لوگ حکومت سے ہنگامی طور پر متاثر لوگوں کے سفر کے لئے ہیلی کاپٹر اور ہوائی جہازوں کا مطالبہ کر رہے ہیں کیونکہ اس طرح کے واقعات معمول بن رہے ہیں اور ان سے عام لوگ متاثر ہو رہے ہیں۔ (محمد حسن)

فضائی آلودگی

لاہور لاہورفضائی آلودگی کی شدید لپیٹ میں ہےاور آج پھر دنیا کے آلودہ ترین شہروں میں پہلے نمبر پر آگیا، بھارتی شہرامرتسر سے چلنے والی اسموگ کی وجہ سے لاہور کے ایئر کوالٹی انڈیکس (اے کیو آئی) میں غیرمعمولی اضافہ ہوا۔ڈان نیوز کے مطابق محکمہ تحفظ ماحول کے مطابق غیر معمولی اے کیوآئی کا سبب امرتسر بھارت سے چلنے والی سموگ زدہ ہوا ہے، 7 کلومیٹر کی رفتار سے چلنے والی یہ آلودہ ہوا دہلی سے لے کر چندی گڑھ اور پھرامرتسر سے لاہور میں داخل ہوئی۔یاد رہے کہ اے کیوآئی فضا میں موجود آلودہ ذرات کے مقدار کی پیمائش کرتا ہے، جن میں باریک ذرات (پی ایم 2.5)، موٹے ذرات (پی ایم 10)، نائٹروجن ڈائی آکسائیڈ (این او 2) اور اوزون (او 3) شامل ہیں، 100 سے زیادہ اے کیوآئی کو’مضرصحت‘ جب کہ 150 سے زیادہ کو’بہت زیادہ مضرصحت‘ سمجھا جاتا ہے۔سیکرٹری محکمہ تحفظ ماحول کی جانب سے جاری بیان میں کہا گیا کہ لاہور کا اے کیو آئی حساس اورکمزور افراد کے لیے مضرصحت ہے۔’بھارت میں امرتسر سے چلنے والی سموگ زدہ ہوا کے دباؤ کے نتیجے میں گزشتہ 24 گھنٹے کا اوسط ایئرکوالٹی انڈیکس میں غیرمعمولی اضافہ ہوا ہے‘۔سیکرٹری محکمہ تحفظ ماحول راجا جہانگیر انور نے کہا کہ یہ غیرمعمولی ایکیوآئی ہے، ہمارے سیٹلائٹ اورموسمیاتی تحقیقاتی اداروں کے مطابق اس وقت ہوا 7 کلومیٹر فی گھنٹہ کی رفتار سے لاہور کی جانب چل رہی ہے۔انہوں نے عوام سے اپیل کی کہ باہرورزش یاواک سے پہلے اے کیوآئی چیک کرلیں، کھلی جگہ پر جانے سے پہلے ماسک لازمی استعمال کریں، بچوں کوآؤٹ ڈور نہ کھیلنے دیں، زیادہ سموگ زدہ علاقوں کی جانب سفرسے گریز کریں۔ان کا مزید کہنا تھا کہ سانس اور دل کے مریض اپنے معالج کے مشورے کے بغیرورزش نہ کریں اور بلاوجہ باہر نہ جائیں، کسی بھی قسم کے دھویں کی فوری اطلاع 1373 پر دیں۔

(بشکریہ روزنامہ ڈان)

ہاری بازیاب

عمرکوٹ 24 ستمبر کومحبوب علی چانڈیو کی درخواست پر سیشن کورٹ عمرکوٹ کے حکم پرسامارو تھانے کی پولیس نے زمیندارمحمد پریل خان بھرگڑی کی زرعی زمین پر چھاپہ مارکر جبری مشقت کے شکار 9 ہاریوں کو بازیاب کرالیا جن میں 3 عورتیں، 3 مرد اور 3 بچے تھے۔ عدالت نے بازیاب ہونے والے ہاریوں کومرضی اور پسند کے مطابق آزاد زندگی گزارنے کی اجازت دے دی۔

(نامہ نگار)

مسلح تنازعات کے دوران لاقانونیت اور بچوں کی سمگلنگ پر یواین رپورٹ

---- اقوام متحدہ کی جاری کردہ ایک نئی رپورٹ میں بتایا گیا ہے کہ مسلح تنازعات اور ان کے درمیان عبوری وقفوں کے دوران بچوں کے حقوق کی سنگین پامالیوں اور ان کی سمگلنگ کے خطرات بڑھ جاتے ہیں۔اپنی نوعیت کی اس پہلی رپورٹ میں بچوں کی سمگلنگ اور جنگ میں پھنسے بچوں کے حقوق کی چھ سنگین پامالیوں کے مابین قریبی تعلق کا تجزیہ کیا گیا ہے۔ان میں بچوں کی جنگ کے لیے بھرتی اورلڑائی میں ان کا استعمال، جنگ میں بچوں کا ہلاک، زخمی اورمعذور ہو جانا، ان کے ساتھ جنسی زیادتی اور دیگر طرح کا جنسی تشدد، بچوں کا اغوا، سکولوں اور ہسپتالوں پر حملے اور انسانی امداد تک بچوں کی رسائی روکے جانا شامل ہیں۔

یہ رپورٹ مسلح تنازعات میں بچوں کو درپیش حالات کے بارے میں اقوام متحدہ کے سیکرٹری جنرل کی خصوصی نمائندہ ورجینیا گامبا کے دفتر نے جاری کی ہے۔اس کی تیاری میں انسانی اور بالخصوص خواتین اور بچوں کی سمگلنگ پر اقوام متحدہ کی خصوصی اطلاع کار سیوبھان مولالی نے بھی تعاون کیا ہے۔رپورٹ میں کولمبیا، افریقہ میں جھیل چاڈ کے طاس، لیبیا، میانمار، جنوبی سوڈان، شام اور یوکرین کی صورتحال کا جائزہ شامل ہے اوراس میں بچوں کو بہتر تحفظ دینے اوران کے حقوق کی پامالی پر احتساب یقینی بنانے کے لیے سفارشات بھی پیش کی گئی ہیں۔

تسلط، دہشت اور جنگ

ورجینیا گامبا نے کہا ہیکہ اس جائزے میں بتایا گیا ہے کہ کس طرح بچوں کی سمگلنگ ان کے حقوق کی چھ سنگین پامالیوں سے جڑی ہے۔رپورٹ میں اس مسئلے پر قابو پانے کے لیے درکار قانونی طریقہ ہائے کار اور پالیسی وضع کرنے سے متعلق اقدامات کے بارے میں بھی بتایا گیا ہے جو فی الوقت عموماً غیر مربوط ہوتے ہیں۔ان کا کہنا ہے کہ مسلح تنازعات میں بچوں کی سمگلنگ کئی طرح کی ہوتی ہے جس میں ان کا جنسی استحصال اورانہیں جنسی مقاصد کے لیے غلام بنایا جانا، نوعمری کی شادی، جنگی مقاصد کے لیے بھرتی اور لڑائی سمیت کئی طرح سے ان کا استعمال شامل ہیں۔متحارب فریقین لوگوں پر تسلط جمانے، انہیں دہشت زدہ کرنے اور جنگ کو جاری رکھنے کے لیے طویل عرصہ سے ان ہتھکنڈوں سے کام لیتے آئے ہیں۔بچوں کے حقوق کی سنگین پامالیوں کا ان کی سمگلنگ یا اس کے بعد انہیں پیش آنے والے حالات میں بھی اہم کردار ہوتا ہے۔مثال کے طور پر دوران جنگ انہیں انسانی امداد سے محروم رکھا جائے تو ان کے انسانی سمگلنگ کا ہدف بننے کے خطرات بھی بڑھ جاتے ہیں۔

مسئلے کا صنفی پہلو

مزید برآں، رپورٹ میں بتایا گیا ہے کہ جہاں لڑکیاں جنسی استحصال اور نوعمری کی شادی کے خطرے کی زد میں ہوتی ہیں وہیں لڑکوں کو جنگی مقاصد کے لیے استعمال کیے جانے کا خطرہ زیادہ ہوتا ہے۔اس کے علاوہ، مسلح تنازعات کے دوران مختلف علاقوں سے بچوں کی سمگلنگ کے داخلی و خارجہ پہلو بھی ہیں۔مثال کے طور پر، ایک دہائی سے زیادہ عرصہ قبل شام میں خانہ جنگی شروع ہونے کے بعد بچوں کی کئی طرح سے سمگلنگ اور اس حوالے سے متعدد جگہوں کی نشاندہی ہوئی ہے۔ان میں بچوں کا اغوا اور یزیدی لڑکیوں کی جنسی غلامی اور جبری شادی کے لیے ان کی عراق سے منتقلی بھی شامل ہے۔شام میں مقامی سنی خاندانوں نے اپنی لڑکیوں کی داعش کے جنگجوؤں سے شادیاں کیں اور بہت سے واقعات میں انہیں خطرات کے باعث ایسا کرنے پر مجبور ہونا پڑا۔ (نامہ نگار)

قبرستان کی اراضی میں سے درختوں کی کٹائی

عمرکوٹ 04 ستمبر کو سامارو شہر کے قریب نامعلوم افراد کی طرف سے میگھواڑ برادری کے قدیمی قبرستان چوبندی میں سے درخت کاٹتے ہوئے درختوں کی جڑیں کھودر ہے تھے تو اطلاع پر میگھواڑ برادری سامارو پولیس کو اطلاع کی۔ پولیس نے جائے وقوع پہنچ کر آٹھ افراد کو کلہاڑیوں سمیت حراست میں لیکر پولیس تھانہ سامارو منتقل کیا۔میگھواڑ برادری کے معززین ہرایک نارائن حاجانی، تلچھومل، منروپو، راجا دن لال اور دیگر نے کہا کہ درختوں کی جڑیں کھودنے سے ہمارے پیاروں کی قبروں کو نقصان ہوا ہے جو ایک قسم کی بے حرمتی ہے۔

(نامہ نگار)

پاسپورٹ آفس میں مبینہ رشوت ستانی

چمن بلوچستان کے شہر چمن میں عوام کے جائز کاموں کے لیے بھی سرکاری محکموں میں رشوت ستانی کا بازار گرم ہے سرکاری افسران وملاز مین' رشوت کو فیس سمجھ کر وصول کرتے ہیں۔سائلین کے جائز کاموں میں رکاوٹ ڈال کرانہیں اس امر پر مجبور کردیا جاتا ہے کہ وہ رشوت دیکر مہینوں کا کام دنوں میں اوردنوں کا کام سکینڈوں میں کراسکتے ہیں۔اگرکوئی اس سے انکار کرے تو اسکے جائز کام میں اس انداز سے رکاوٹیں کھڑی کی جاتی ہیں کہ وہ وقت بچانے کے لیے رشوت دینے پر مجبور ہوجاتا ہے۔ ون ڈاکومنٹ رجیم کے بعد بدقسمتی سے سب سے زیادہ شکایات پاسپورٹ آفس سے آرہی ہیں اور یہاں عوام کو کرپشن کی شکایات ہیں۔اپنے جائز کاموں کی تکمیل کیلئے سائلین کو رشوت دینے پر مجبور کرنا ایک رواج سا بن گیا ہے۔ چمن پریس کلب کے سابق صدر اختر گلفام نے بتایا کہ گذشتہ روز چمن ایڈوکیٹ محمد ایمل خان شہید بوائز ڈگری کالج ہال میں ڈپٹی کمشنر حبیب احمد بنگلزئی کی سربراہی میں کھلی کچہری ہوئی جس میں پاسپورٹ آفس کی رشوت ستانی سے متعلق عوام نے شکایات کے پہاڑ کھڑے کردیے۔ ایک شہری نے ڈپٹی کمشنراور پاسپورٹ انچارج کی موجودگی میں پاسپورٹ انچارج چوہدری نامی آفسر پر کرپشن اور پیسے لینے کا الزام لگایااورساتھ میں کھلی کچہری میں ڈپٹی کمشنرکو بتایا کہ ان سے پیسے لینے کی ویڈیو بھی ان کے پاس موجود ہے،تاہم ڈپٹی کمشنر نے بتایا کہ ان کی شکایات کا ازالہ کیا جائے گا۔ چمن میں عوامی سروے کیا گیا جس پرشہریوں نے پاسپورٹ دفتر میں سرعام جائز کام پر پیسے لینے کے ثبوت پیش کئے اورتاج روڈ، مال روڈ دفاتر کا ذکر کیا کہ پاسپورٹ عملہ وہاں پیسے وصول کرتا ہے۔سروے میں عوام کا کہنا تھا کہ ہمارے معاشرے کوکرپشن اور رشوت نے بری طرح جکڑ رکھا ہے۔ایک ایسا ہی محکمہ پاسپورٹ آفس بھی ہے جہاں بینک میں فیس جمع کرانے کے بعد پاسپورٹ کے لیے درخواست جمع کرائی جاسکتی ہے۔سینکڑوں افراد روزانہ پاسپورٹ کے حصول کیلئے درخواستیں جمع کراتے ہیں مگر سائلین کی درخواستوں پر مختلف اعتراضات لگا کرانہیں مجبور کیا جاتا ہے کہ وہ پاسپورٹ دفتر کے باہر یا اندرایجنٹوں سے رابطہ کرکے وہی کام جو چند لمحے پہلے ناممکن ہوتا ہے کوممکن بناسکتے ہیں۔رشوت نیچے سے لیکر اوپر تک جاتی ہے اورکلیدی سیٹوں پران افسران اور ماتحت ملازمین کی تعیناتی کی جاتی ہے جو ہر ماہ باقاعدگی کیساتھ اپنے افسران بالا کونذرانہ دے سکیں۔ان کی گھریلوں ضروریات کو پورا کرسکیں اور بوقت ضرورت اچانک پڑنے والی ضرورت کو بھی پورا کیا جاسکے۔ایک ماہ پہلے اس وقت کے اے ڈی سی اور موجودہ ڈپٹی کمشنر حبیب احمد بنگلزئی نے لیویز فورس کے ہمراہ ایک بھرپور کاروائی کرتے ہوئے پاسپورٹ آفس چمن کے اندر اور باہر موجود چارایجنٹوں کو رنگے ہاتھوں گرفتار کیا تھا۔ پاسپورٹ آفس کا ڈیلوری کلرک' ٹوکن انچارج' ڈی او اور اسسٹنٹ ڈائریکٹر پاسپورٹ چوہدری بھی ملوث ہیں۔ اہلیان چمن نے پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق کے ماہنامہ جہدِ حق کے توسط سے وزیراعلی بلوچستان میر سرفراز بگٹی، سپیکر بلوچستان اسمبلی کیپٹن (ر) عبدالخالق خان اچکزئی چیف سیکرٹری بلوچستان اور ڈپٹی کمشنر چمن سے مطالبہ کیا کہ پاسپورٹ دفتر میں جاری جائز کاموں پر پیسے لینے والوں کونشان عبرت بنا کر چمن کے عوام کواس عذاب سے چھٹکارا دلایا جائے۔

(محمد صدیق)

عوامی مشکلات اور حکومت کی ذمہ داری

چمن پاک افغان بارڈر چمن کی طویل بندش نے چمن کے عوام کو بے پناہ مسائل سے دوچار کر دیا ہے۔ لاکھوں افراد روزگار سے محروم ہوچکے ہیں اور ہزاروں خاندان حالات کے جبر کے تحت چمن سے ہجرت کرنے پر مجبور ہوگئے ہیں۔ یہ صورتحال نہ صرف شہریوں کے لیے معاشی بحران کا سبب بن رہی ہے بلکہ بدامنی اور لاقانونیت کے بڑھنے کا بھی خدشہ پیدا ہوچکا ہے۔ حکومت کے لیے یہ لمحہ فکر ہے کہ وہ عوام کی مشکلات کا ادراک کرے اور فوری اقدامات اٹھائے تاکہ عوامی بے چینی میں مزید اضافہ نہ ہو۔چمن کی معیشت کا بڑا دارومدار پاک افغان بارڈر سے منسلک تجارتی سرگرمیوں پر رہا ہے۔بارڈر کی بندش سے ٹرانسپورٹ، کاروبار اور مزدوری کے مواقع مکمل طور پر ختم ہوچکے ہیں۔اس کے نتیجے میں معاشی بدحالی، جرائم، بے چینی اور لاقانونیت بڑھ سکتی ہے، جو خطے کے امن وامان کے لیے خطرناک ثابت ہوسکتی ہے۔حکومت کو فوری طور پر ہوش کے ناخن لینے کی ضرورت ہے۔ بارڈر کی بندش کوطول دینا عوام کو مزید غربت کی دلدل میں دھکیلنے کے مترادف ہے۔حکومت کو چاہیے کہ وہ پاک افغان تجارت کو بحال کرنے کے لیےفوری اقدامات کرےاورعوام کے لیے روزگار کے مواقع پیدا کرے تاکہ وہ باعزت زندگی گزار سکیں۔اگرحکومت نے بروقت اقدامات نہ کیےتو عوامی بے چینی اور بدامنی میں مزید اضافہ ہوسکتا ہے، جو نہ صرف اس علاقے بلکہ پورے خطے کے لیےسنگین مسائل کا سبب بن سکتا ہے۔ لہٰذا حکومت کا فرض ہے کہ وہ عوام کے مسائل کو ترجیحی بنیادوں پر حل کرے اور روزگار کے نئے مواقع پیدا کرکے شہریوں کومعاشی تحفظ فراہم کرے۔ایک خوشحال اور مستحکم چمن ہی امن کی ضمانت دے سکتا ہے۔

(نامہ نگار)

امن کے قیام کا مطالبہ

باڑہ باڑہ سیاسی اتحاد کے رہنماؤں نے باڑہ بالخصوص تیراہ میں امن وامان کے صورتحال پر تشویش کا اظہار کیا۔پریس کانفرنس کے شرکاء نے صوبائی حکومت کوامن وامان کی بگڑتی صورتحال حالات کا ذمہ دار ٹھہرایا اور صوبائی حکومت سے پرزور مطالبہ کیا کہ گزشتہ دنوں ڈرون حملے میں زخمیوں کیلئے کئے گئے وعدے فی الفور پورے کیے جائیں اور زخمیوں کو جلد از جلد مالی امداد فراہم کی جائیں تاکہ انکا علاج ومعالجہ بروقت ہوسکے۔باڑہ سیاسی اتحاد کے رہنماؤں نے حکومت سے یہ بھی مطالبہ کیا کہ موجودہ حالات اور علاقے میں جاری آپریشن کی وجہ سے عوام کو لاحق تشویش کو دور کریں اور امن کی بگڑتی ہوئی صورتحال پر اپنا مؤقف عوام کے سامنے پیش کریں۔علاقائی عوام اور سیاسی وسماجی حلقے تیراہ میں جاری آپریشن سے کافی مایوس ہیں اور حکومت کی دوغلے پن سے خوب واقف ہوچکے ہیں اب مزید دہشتگردوں کے خلاف جنگ کی آڑ میں عام عوام کونشانہ بنانا بلکل برداشت نہیں کرسکتے۔

(منظور آفریدی)

قاتلوں کی عدم گرفتاری کے خلاف احتجاجی ریلی علامتی بھوک ہڑتال

نوشہروفیروز 28 اکتوبر کو مورو شہر میں مبینہ بہن ساجدہ اوراس کے بھائی وحید کے قتل کے خلاف لواحقین، سول سوسائٹی، قوم پرست، مذہبی، صحافیوں، انسانی حقوق کی تنظیم نے احتجاجی ریلی نکالی اور ملوث قاتلوں کی عدم گرفتاری کے احتجاجی ریلی نکالی اور علامتی بھوک ہڑتال کی اور مورو پریس کلب کے سامنے جسقم کے رہنما آزاد امتیاز کھوسو، جسم رہنما ابرار مورائی، ایس ٹی پی رہنما اصغر بلیدی، بلاول ڈاہری، فنکار نگہت ناز، سدھیر میرالی، امن کمیٹی کے رہنما خادم حسین کھوسو، برکت چنو، صدام کلہوڑو، جانی مورائی، آکاش کورائی، وقار بلال، فیاض کورائی، فاروق کورائی، سید بابرشاہ، حاجی خان سائمن، حسن زرداری، عبدالغفار اور دیگر ریلی کی قیادت کررہے تھے۔ جہاں ان کا کہنا تھا کہ موروشہر کی درمیانی سڑک پر مبینہ ملوث ملزمان راشدعلی بھٹی نے مرحومہ ساجدہ بھٹی اور ہمارے نوجوان بھائی وحید کو گولی مارکرقتل کردیا تھا جبکہ الزام میں مبینہ ملزمان اسد بھٹی، لیاقت بھٹی، ثمن بھٹی، کامران شامل ہیں۔ابڑوابھی تک گرفتار نہیں ہوئے ہیں۔ مقتولین کے لواحقین کوانصاف اور تحفظ فراہم کیا جائے۔

(الطاف حسین قاسمی)

عورتیں

خاتون سے مبینہ اجتماعی جنسی زیادتی

نوشہرو فیروز 4 اکتوبر کو مورو میں 19 سالہ نوجوان لڑکی سے تین ملزمان کی مبینہ اجتماعی جنسی زیادتی۔ واقعے کی وڈیو بھی بنائی گئی۔ متاثرہ خاتون نے مطالبہ کیا ہے کہ اسے انصاف اور ملزمان کو عبرتناک سزا دی جائے۔ بعدازاں، سیشن جج کے حکم پر ملزمان کے خلاف مورو تھانہ میں مقدمہ درج کرلیا گیا تھا۔ تفصیلات کے مطابق سندھ کالونی مورو کی رہائشی 19 سالہ نوجوان لڑکی مورو سیشن جج کی عدالت پہنچی اور درخواست دائر کی جس پر سیشن جج ندیم بدر قاضی نے مورو پولیس کو حکم دیا کہ ملزمان کے خلاف فوری ایف آئی آر درج کر کے انہیں جلد از جلد گرفتار کیا جائے۔ متاثرہ لڑکی نے اپنی درخواست میں کہا ہے کہ "صدرو ماچھی نامی شخص نے اسے شادی کا جھوٹا وعدہ کر کے جھانسہ دیا اور مسلسل جنسی زیادتی کرتا رہا اور بعد میں اپنے دو دوستوں رمضان چانڈیو اور نادر کو لایا اور وہ بھی اسے ہوس کا نشانہ بناتے رہے جس کے باعث وہ حاملہ ہوگئی۔ ملزمان نے جنسی زیادتی کے واقعہ کی وڈیو بھی بنائی ہے۔ جب اس نے صدرو ماچھی سے شادی کا کہا تو اس نے انکار کردیا، اور اب اسے دھمکیاں دے رہا ہے۔ مورو پولیس نے عدالت کے حکم پر تین ملزمان کے خلاف مقدمہ درج کرلیا۔ دو ملزمان رمضان چانڈیو اور نادر کو گرفتار کرلیا گیا ہے جبکہ مرکزی ملزم صدرو ماچھی فرار ہو گیا ہے۔ پولیس کے مطابق فرار ملزم کی تلاش میں مختلف مقامات پر چھاپے مارے جا رہے ہیں۔

(الطاف حسین قاسمی)

بیوی کو زخمی کر دیا

اوکاڑہ دیپالپور کے علاقہ 37 ڈی کے رہائشی شہادت علی نے منشیات فروشی سے منع کرنے پر اپنی بیوی صغراں پر حملہ کر دیا۔ ملزم نے اپنی معذوری سے متاثرہ بیٹی کے سامنے تیز دھار آلیکے پے در پے وار کر کے نا صرف بیوی کو شدید زخمی کر دیا بلکہ اپنی بیوی کی آنکھ بھی نکال دی اور متاثرہ خاتون کو قوت بینائی سے محروم کر دیا۔ ملزم ساتھیوں سمیت فرار ہو گیا۔ واقعہ کی اطلاع پر پولیس تھانہ صدر دیپالپور کی بھاری نفری موقع پر پہنچ گئی۔ متاثرہ خاتون کو تشویشناک حالت میں ٹی ایچ کیو ہسپتال دیپالپور منتقل کر دیا گیا۔ پولیس نے ملزمان کی گرفتاری کے لیے مختلف جگہوں پر چھاپے مارنے شروع کر دیے ہیں۔ واقعہ 4 اکتوبر کو پیش آیا تھا۔ (اصغر حسین)

دنیا میں دو ارب خواتین کسی بھی طرح کے سماجی تحفظ سے محروم

اسلام آباد اقوام متحدہ کے ادارہ برائے خواتین (یو این ویمن) نے بتایا ہے کہ دنیا بھر میں خواتین کی بڑی تعداد کو مالی تعاون سے لے کر صحت اور پینشن تک سماجی تحفظ کی بہت سی خدمات تک رسائی نہیں ہے جس کے باعث وہ غربت کے خطرے سے دوچار ہیں۔ 17 اکتوبر کو غربت کے خلاف منائے جانے والے عالمی دن سے قبل یو این ویمن کی جاری کردہ رپورٹ میں سماجی تحفظ کی خدمات تک رسائی کے حوالے سے بڑے پیمانے پر صنفی فرق کے بارے میں بتایا گیا ہے۔ رپورٹ کے مطابق دنیا میں دو ارب خواتین اور لڑکیوں کو کسی طرح کا سماجی تحفظ میسر نہیں ہے۔ اگرچہ اس ضمن میں 2015 کے بعد بہت سے ممالک میں مثبت پیش رفت بھی دیکھنے کو ملی ہے تاہم بیشتر ترقی پذیر ممالک میں سماجی تحفظ کی سہولیات تک رسائی کے حوالے سے صنفی فرق میں اضافہ ہو رہا ہے۔ ان حالات میں پائیدار ترقی کے پانچویں ہدف کا حصول خطرے میں ہے۔

غربت اور صنفی تفاوت

رپورٹ میں بتایا گیا ہے کہ زندگی کے ہر مرحلے پر غریب افراد میں خواتین کی تعداد زیادہ ہوتی ہے۔ بلوغت کے بعد 30 سال تک کی عمر میں انہیں غربت کا سامنا رہنے کے خطرات اور بھی زیادہ ہوتے ہیں۔ 25 تا 34 سال کی عمر میں خواتین کے شدید غربت کا شکار ہونے کا خدشہ اسی عمر کے مردوں سے کہیں زیادہ ہوتا ہے۔ جنگوں اور موسمیاتی تبدیلی کے باعث یہ عدم مساوات مزید بڑھ رہی ہے۔ جہاں ان مسائل کی شدت زیادہ ہے وہاں مستحکم خطوں کے مقابلے میں خواتین کے شدید غربت کا سامنا کرنے کا خدشہ 7.7 فیصد زیادہ ہوتا ہے۔ مزید برآں 2022 کے بعد مہنگائی کی شرح میں اضافے کے باعث خوراک اور توانائی کی قیمتیں بڑھنے سے خواتین خاص طور پر متاثر ہوئی ہیں۔ 171 ممالک میں حکومتوں کی جانب سے اپنائے جانے والے سماجی تحفظ کے تقریباً 1,000 اقدامات میں سے 18 فیصد ہی خواتین کے معاشی تحفظ میں معاون تھے۔ رپورٹ میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ قدرتی حوادث کے بعد اٹھائے جانے والے اقدامات میں صنفی اعتبار سے مخصوص خدشات اور عدم تحفظ کو عام طور پر نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔

زچگی میں عدم تحفظ

یو این ویمن کی اس رپورٹ کے مطابق، دنیا میں 63 فیصد خواتین اب بھی زچگی کی مناسب طبی سہولیات کے بغیر بچوں کو جنم دیتی ہیں۔ ذیلی صحارا افریقہ میں یہ تعداد 94 فیصد ہے۔ زچگی کی چھٹیوں کے دوران مالی مدد نہ ملنے سے خواتین کو نا صرف معاشی نقصان ہوتا ہے بلکہ ان کی اور نومولود بچے کی صحت و بہبود بھی متاثر ہوتی ہے اور یہ غربت نسل در نسل منتقل ہوتی رہتی ہے۔

امید افزا مثالیں

رپورٹ میں بعض ممالک کا حوالہ دیتے ہوئے اس معاملے میں متاثر کن پیش رفت کا تذکرہ بھی کیا گیا ہے۔ منگولیا میں غیر رسمی شعبے میں کام کرنے والی خواتین کو بھی زچگی کی چھٹیوں کے فوائد دیے گئے ہیں۔ ان میں گلہ بان اور نجی طور پر اشیاء و خدمات فراہم کرنے والی خواتین بھی شامل ہیں۔ اس کے علاوہ ملک میں مردوں کو بھی باپ بننے کے بعد چھٹیاں ملتی ہیں جس سے بچے کی نگہداشت سے متعلق ذمہ داریوں کے معاملے میں صنفی مساوات کی صورتحال بہتر ہوئی ہے۔ اسی طرح، سینیگال کی حکومت نے یو این ویمن کے تعاون سے دیہی خواتین کو بھی نیشنل ہیلتھ انشورنس سکیم میں شامل کیا ہے جس سے وہ سماجی طور پر مزید مضبوط ہو رہی ہیں۔ یو این ویمن میں پالیسی، پروگرام اور بین الحکومتی ڈویژن کی ڈائریکٹر سارہ ہینڈرکس نے کہا ہے کہ صنفی مساوات، خواتین کی مضبوطی اور ان کی سماجی و معاشی حالت میں بہتری لانے کے لیے سماجی تحفظ کی خدمات بہت اہم ہیں۔ اس معاملے میں پالیسی اور پروگرام سازی سے لے کر خدمات کی فراہمی اور ان کے لیے مالی وسائل کے بندوبست تک ہر مرحلے میں خواتین اور لڑکیوں کے وقار اور اختیار کو مرکزی اہمیت دینے کی ضرورت ہے۔

(بشکریہ یو این خبرنامہ)

سال 2023 میں جنگوں کے دوران خواتین کی ہلاکتوں میں دوگنا اضافہ

----- گزشتہ برس جنگوں میں ہلاک ہونے والی خواتین کی تعداد 2022 کے مقابلے میں دوگنا زیادہ رہی جبکہ مسلح تنازعات کے دوران جنسی تشدد کے واقعات میں 50 فیصد اضافہ ہوا۔ 'خواتین، امن اور سلامتی' کے موضوع پر اقوام متحدہ کے سیکرٹری جنرل کی تازہ ترین سالانہ رپورٹ میں بتایا گیا ہے کہ 2023 میں جنگوں کے دوران ہلاک ہونے والے شہریوں میں خواتین کا تناسب 40 فیصد تھا۔ یہ رپورٹ اقوام متحدہ میں خواتین کے ادارے 'یو این ویمن' کی قیادت میں تیار کی گئی ہے جس کا کہنا ہے کہ جنگوں میں خواتین اور بچوں کو تحفظ دینے کے بین الاقوامی قانون کی کھلی پامالی کے واقعات بڑھ گئے ہیں جس کا براہ راست نتیجہ ان ہلاکتوں میں اضافے کی صورت میں نکلا ہے۔

مردوں کی جنگیں، خواتین کا نقصان

اقوام متحدہ نے بتایا ہے کہ گزشتہ سال جنگوں میں مجموعی طور پر 33,443 شہری ہلاک ہوئے جو 2022 کے مقابلے میں 72 فیصد بڑی تعداد ہے۔ اس دوران خواتین اور بچوں کی ہلاکتوں میں بالترتیب دو اور تین گنا اضافہ دیکھنے کو ملا۔ رپورٹ کے مطابق، جنگ زدہ علاقوں میں خواتین طبی سہولیات کے فقدان سے بھی بری طرح متاثر ہو رہی ہیں۔ جنگ سے متاثرہ ممالک میں 500 خواتین اور لڑکیاں حمل اور زچگی کی پیچیدگیوں کے باعث موت کے منہ میں چلی جاتی ہیں۔ 2023 کے آخر تک جنگ زدہ غزہ میں روزانہ 180 خواتین ضروری سہولیات یا طبی نگہداشت کے بغیر بچوں کو جنم دے رہی تھیں۔ یو این ویمن کی ایگزیکٹو ڈائریکٹر سیما باحوس کا کہنا ہے کہ خواتین مردوں کی جنگوں کی قیمت چکا رہی ہیں جبکہ انہیں ہر جگہ پہلے ہی مشکل حالات کا سامنا ہے۔ خواتین کے حقوق کو دانستہ ہدف بنانا صرف جنگ زدہ ممالک سے ہی مخصوص نہیں بلکہ دیگر جگہوں پر اور پرامن حالات میں بھی ان کے خلاف انتہائی خطرناک اقدامات دیکھنے کو ملتے ہیں۔

امن عمل میں خواتین کا کردار

یہ رپورٹ ایسے موقع پر سامنے آئی ہے جب سلامتی کونسل کی جانب سے 'خواتین، امن اور سلامتی' کے موضوع پر تاریخی قرارداد 1325 (2000) کی منظوری کو 25 برس مکمل ہو رہے ہیں۔ اس قرارداد میں تنازعات کی روک تھام اور انہیں حل کرنے میں خواتین کے اہم کردار کو تسلیم کیا گیا ہے۔ اس میں متحارب فریقین سے کہا گیا ہے کہ وہ مسلح تنازعات میں خواتین اور لڑکیوں کا تحفظ یقینی بنائیں اور خواتین کو امن عمل میں بھرپور نمائندگی دیں۔ تاہم اس ربع صدی میں ممالک کی جانب سے کیے گئے بہت سے وعدوں کے باوجود صورتحال میں نمایاں بہتری نہیں آ سکی۔ گزشتہ سال دنیا بھر میں امن کے لیے کی جانے والی 50 سے زیادہ کوششوں میں خواتین مذاکرات کاروں کی تعداد 10 فیصد سے بھی کم تھی جبکہ جائزوں سے ثابت ہے کہ جب خواتین کو اس عمل میں شامل کیا جاتا ہے تو امن معاہدے زیادہ پائیدار ہوتے ہیں اور ان پر بہتر طور سے عملدرآمد ہوتا ہے۔ رپورٹ میں اس کی مثال پیش کرتے ہوئے بتایا گیا ہے کہ یمن میں خواتین کے زیر قیادت ایک امن عمل کے نتیجے میں شہریوں کی پانی کے ذریعے تک رسائی ممکن ہوئی۔ سوڈان میں خواتین کے زیر قیادت 49 تنظیمیں مزید مشمولہ امن عمل کے لیے کوششیں کر رہی ہیں۔ تاہم، ان کے لیے تعاون کا فقدان ہے یا امن بات چیت میں ان کے کردار کو تسلیم نہیں کیا جاتا۔

وسائل کی شدید قلت

رپورٹ میں بتایا گیا ہے کہ مالی وسائل کی قلت بھی امن عمل میں خواتین کی خاطر خواہ نمائندگی اور ان کے فعال کردار کی راہ میں رکاوٹ ہے۔ 2023 میں عالمی سطح پر جنگی اخراجات 2.44 ٹریلین ڈالر کی ریکارڈ سطح پر پہنچے لیکن خواتین کے حقوق کے لیے کام کرنے والی تحریکوں اور تنظیموں کو دیے جانے والے مالی وسائل مجموعی سالانہ عالمی امداد کا صرف 0.3 فیصد تھے۔ علاوہ ازیں، صنفی بنیاد پر تشدد کی روک تھام اور اس پر قابو پانے کے اقدامات پر سرمایہ کاری تمام تر امدادی اخراجات کے ایک فیصد سے بھی کم رہی۔

دلیرانہ اقدامات کی ضرورت

رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ دلیرانہ سیاسی اقدامات اور بڑے پیمانے پر مالی وسائل کی فراہمی سے ہی امن عمل میں خواتین کی مساوی اور بامعنی شمولیت یقینی بنائی جا سکتی ہے جو پائیدار امن کے لیے بہت ضروری ہے۔ اس میں امن و سلامتی کے لیے کی جانے والی کوششوں میں خواتین کے کردار کو بڑھانے کیلئے آٹھ سفارشات پیش کی گئی ہیں۔ ان میں ثالثی اور امن عمل میں خواتین کی نمائندگی کو مردوں کے مقابلے میں ابتداً ایک تہائی تک بڑھانا اور پھر اسے 50 فیصد تک لے جانا بھی شامل ہے۔

(یو این خبرنامہ)

بیوی کو زہر دے دیا

اوکاڑہ 28 ستمبر کو اوکاڑہ کے نواحی قصبہ 17 فور ایل کی رہائشی اقصیٰ بی بی کی شادی ڈیڑھ سال قبل افتخار سے ہوئی جس سے ایک بچہ پیدا ہوا جو کہ پانچ ماہ کا ہے۔ میاں بیوی میں اختلافات اور گھریلو ناچاکی شروع ہو گئی۔ اقصیٰ کے بھائی محمد عمران کی شادی افتخار کی بھانجی سے ہوئی۔ عمران نے اپنی اہلیہ کو طلاق دے دی جس سے مشتعل ہو کر 28 ستمبر کو مبینہ طور پر ملزم افتخار نے اپنے ساتھیوں حمزہ ریاض اور آمنہ بی بی سے ملکر اپنی اہلیہ اقصیٰ بی بی کو نشہ آور چیز کھلا کر ہلاک کر دیا۔ ملزمان نے مقتولہ کی لاش چھت کے کنڈے سے لٹکا دی اور شور مچا دیا کہ اقصیٰ بی بی نے خودکشی کر لی ہے۔ ڈی پی او نے حکم دیا کہ وقوعہ کے ملزمان کو گرفتار کر کے حقائق پر تفتیش کو یکسو کیا جائے۔ ملزمان نے قتل کا اقرار کر لیا ہے اور تھانہ اوکاڑہ کینٹ میں مذکورہ ملزمان کیخلاف قتل کی دفعہ کے تحت مقدمہ درج کر لیا گیا۔ پولیس مصروف تفتیش ہے۔

(اصغر حسین حماد)

نادرا دفتر میں خواتین کو مسائل کا سامنا

چمن بلوچستان کے دوسرا بڑے شہر میں خواتین کیلئے صرف ایک نادرا آفس ہے۔ زنانہ نادرا آفس چمن کے اہلکاروں کا رویہ عوام کیساتھ نامناسب ہے۔ ایک جانب سہولیات کی عدم فراہمی کے خلاف عوام کا احتجاج تو دوسری جانب خواتین نادرا اہلکاروں کی ہٹ دھرمی جاری ہے۔ اب نادرا آفیسران نے سائلین کو تنگ کرنے کے خاطر غیر ضروری طور پر دستاویزات کی اسٹام پیپر پر تصدیق کا نظام متعارف کرایا ہے اور اس حوالے سے اطلاعات ہیں کہ دفتر کے باہر باقاعدہ ایک ایجنٹ بٹھا کر 20 روپے والا اسٹام پیپر 200 روپے میں فروخت کیا جا رہا ہے۔ دوسری جانب نادرا سینٹر میں اسٹاف انتہائی غیر ذمہ دار اور غیر تربیت یافتہ ہے جنھیں اپنے کام کا بھی صحیح پتہ نہیں۔ ایک سائل کے فارم پر تقریباً ایک گھنٹے تک کا وقت صرف ہوتا ہے جس کے باعث سائلین کا سارا دن نادرا دفتر میں ہی گزر جاتا ہے۔ اس کے علاوہ دفتر کا نائب قاصد مبینہ طور پر دفتری امور میں غیر ضروری مداخلت اور خواتین سائلین کیساتھ بدتمیزی کا مرتکب بھی ہوتا ہے۔ اہلیان چمن نے ڈپٹی کمشنر حبیب احمد بنگلزئی صاحب سے خواتین نادرا دفتر چمن کا وزٹ کرنے اور درج بالا مسائل کے فوری حل کیلئے کارروائی کی اپیل کی ہے۔

(محمد صدیق)

دنیا کے ایک ارب بچوں کو تشدد اور استحصال کا سامنا

---- بچوں کے خلاف تشدد کے مسئلے پر اقوام متحدہ کے سیکرٹری جنرل کی نمائندہ خصوصی نجات مالا مجید نے کہا ہے کہ دنیا میں ایک ارب بچے کئی طرح کے تشدد، استحصال اور بدسلوکی کا سامنا کر رہے ہیں۔اس مسئلے پر جاری کردہ ایک رپورٹ میں انہوں نے بتایا ہے کہ بچوں کے خلاف تشدد بڑھتا جا رہا ہے اور یہ اس وقت دنیا کو درپیش ایک بڑا مسئلہ ہے۔رپورٹ کے مطابق، بہت سے بچوں کو 'کثیرالجہتی غربت' کے باعث تشدد کا خطرہ رہتا ہے۔دنیا میں بچوں کی نصف تعداد (تقریباً ایک ارب) کو موسمیاتی بحران سے متاثر ہونے کے شدید خطرات لاحق ہیں۔ ہر چھ میں سے ایک بچہ یا نوعمر فرد جنگ زدہ علاقوں میں رہتا ہے۔بچوں کے خلاف تشدد جس سطح پر پہنچ چکا ہے اس کی پہلے کوئی مثال نہیں ملتی جبکہ کثیرالجہتی اور باہم مربوط بحران اس کی بڑی وجہ ہیں۔لاکھوں بچے آن لائن اور آف لائن جسمانی، جنسی اور نفسیاتی تشدد کا سامنا کرتے ہیں۔ بچہ مزدوری، نوعمری کی شادی، لڑکیوں کے جنسی اعضا کی قطع و برید، صنفی بنیاد پر تشدد، انسانی سمگلنگ، غنڈہ گردی، سائبر غنڈہ گردی اور دیگر مسائل بھی اس تشدد کا حصہ ہیں۔

'کوئی ملک محفوظ نہیں'

نجات مالا نے کہا ہے کہ بچوں کو تشدد سے لاحق خطرات ایک عالمگیر مسئلہ ہے جو جغرافیائی اور سماجی۔معاشی حدود سے ماورا ہے۔اس وقت کوئی بھی ملک اور کوئی بھی بچہ اس سے محفوظ نہیں۔تمام ممالک میں بچے مختلف حالات میں کئی طرح کے تشدد کا سامنا کر رہے ہیں۔11 اکتوبر کو بچیوں کے عالمی دن سے قبل اقوام متحدہ کے ادارہ برائے اطفال (یونیسف) کی جاری کردہ معلومات کے مطابق، آج دنیا میں 37 کروڑ سے زیادہ لڑکیاں اور خواتین ایسی ہیں جو 18 سال کی عمر سے پہلے جنسی زیادتی کا نشانہ بن چکی ہیں یا انہیں ایسے حملے کا سامنا رہا ہے۔اگر آن لائن یا زبانی بدسلوکی کو بھی اس میں شامل کر لیا جائے تو یہ تعداد 65 کروڑ تک پہنچ جاتی ہے۔رپورٹ کے مطابق، پانچ سال سے کم عمر کے تقریباً 400 ملین بچوں کو گھروں میں تواتر سے نفسیاتی جارحیت اور جسمانی سزا جھیلنا پڑتی ہے۔

بچوں کا آن لائن استحصال

نجات مالا نے بچوں کے آن لائن استحصال پر خاص تشویش کا اظہار کیا ہے۔ان کا کہنا ہے کہ یہ مسئلہ بہت بڑا ہے۔ بچوں میں آن لائن ربط بڑھنے کے ساتھ ان سے آن لائن بدسلوکی کرنے والوں کی تعداد بھی بڑھتی جا رہی ہے۔سائبر غنڈہ گردی بھی ایک اہم مسئلہ ہے اور دنیا بھر میں 15 فیصد بچے اس کا شکار ہو چکے ہیں۔نمائندہ خصوصی نے بتایا کہ یہ ایک پیچیدہ مسئلہ ہے اور اسے حل کرنا آسان نہیں کیونکہ اس مقصد کے لیے تین کرداروں یعنی متاثرین، بدسلوکی کرنے والوں اور یہ سب کچھ دیکھنے والوں پر کام کرنا پڑتا ہے۔

بچہ مزدوری

رپورٹ میں بتایا گیا ہے کہ دنیا میں 160 ملین بچے مزدوری کر رہے ہیں اور یہ بھی ان کے خلاف تشدد کی ایک قسم ہے۔بچوں کو کام کرنے کے بجائے سکول میں ہونا چاہیے۔

نجات مالا نے کئی طرح کے تشدد کی باہم مربوط نوعیت کا تذکرہ بھی کیا ہے۔ان کا کہنا ہے مزدوری کرنے والے بہت سے بچے انسانی سمگلنگ اور جنسی استحصال کا نشانہ بھی بنتے ہیں۔

طویل مدتی اثرات

نجات مالا نے بتایا ہے کہ رپورٹ میں بچوں کے خلاف تشدد کے سنگین نتائج کی بابت خبردار بھی کیا گیا ہے۔اس سے ان کی ذہنی صحت پر طویل مدتی منفی اثرات مرتب ہوتے ہیں۔بچوں میں خودکشی، ذہنی اختلال، کھانے پینے کی عادات میں بگاڑ، منشیات کی لت، مایوسی اور بعد از صدمہ ذہنی دباؤ (پی ٹی ایس ڈی) میں اضافے سے اس کی بخوبی عکاسی ہوتی ہے۔علاوہ ازیں بچوں پر تشدد سے ان کی تعلیم، کارکردگی اور سیکھنے کی صلاحیت کا نقصان بھی ہوتا ہے۔

(یو این رپورٹ)

چار سالہ بچی سے جنسی زیادتی

میانوالی تفصیلات کے مطابق پپلاں کے علاقہ پکی نہر ماہی والا پل کا رہائشی محمد شجر خان نے درخواست دی کہ 13 اکتوبر کو اس کی چار سالہ کمسن بچی ملحقہ دوکان پر بسکٹ لینے گئی جہاں دوکان کے مالک حمزہ علی ولد عبدالرشید نے بچی کے ساتھ جنسی زیادتی کی، ڈی پی او نے نوٹس لیتے ہوئے تھانہ پپلاں کو مقدمہ درج کرنے کا آرڈر جاری کیا مقامی پولیس نے ملزم کے خلاف مقدمہ درج کر کے ملزم کو گرفتار کر لیا۔ (محمد رفیق)

بچے

بچی کے ساتھ جنسی زیادتی

عمرکوٹ تحصیل کنری کے علاقے نبی سرروڈ کے گوٹھ بارانی جمعوں خاصخیلی میں ایک ملزم نے 10 سالہ معصوم بچی ثمینہ ولد چیلو مہاراج سے مبینا جنسی زیادتی کی۔والدین کی طرف سے کھیت سے واپس گھر پہنچنے پر بچی کی حالت خراب دیکھی تو اسے علاج و معالج کے لئے تعلقہ ہسپتال کنری منتقل کیا۔والدین نے کہا کہ وہ صبح سویرے کھیتوں میں کام کرنے کے لئے گئے ہوئے تھے اور بچی گھر میں اکیلی تھی جب ملزم نے گھر میں گھس کر اسے زیادتی کا نشانہ بنایا۔جب وہ کام سے فارغ ہو کر گھر پہنچے تو دیکھا کہ بچی کو خون بہہ رہا تھا۔بچی نے زیادتی کے بارے میں بتایا۔پھر انہوں نے بچی کو علاج کے لئے تعلقہ ہسپتال کنری منتقل کیا۔اطلاع پر نبی سرروڈ تھانے کی پولیس نے تعلقہ ہسپتال کنری پہنچ کی متاثرہ بچی سے پوچھ گوچھ کی اور بچی کا میڈیکل چیک اپ بھی کروایا۔نبی سرروڈ پولیس نے متاثرہ بچی کے چچا زاد بھائی ہیرو مہاراج کی فریاد پر مبینہ ملزم ساجن بھیل کے خلاف گناہ نمبر 45/2024 قلم PPC 376 کے تحت کیس درج کر کے اسے گرفتار کر لیا۔

(نامہ نگار)

لڑکے سے زیادتی

میانوالی سکندر آباد میں نجی کمپنی میں بطور ویٹر کام کرنے فیصل آباد کے رہائشی لڑکے کے ساتھ دو اشخاص نے زیادتی کی، کمپنی کے ایڈمن کی مدعیت میں پولیس نے مقدمہ درج کر کے ملزمان شہباز علی ولد کاظم سکنہ خانیوال، زاہد علی ولد امداد علی سکنہ ہنگو کو گرفتار کر لیا۔ (محمد رفیق)

بچوں کو قتل کر کے خودکشی کر لی

عمرکوٹ تحصیل وضلع عمرکوٹ کے علاقے بودر فارم کے قریب گوٹھ سیف اللہ پلی موڑ میں والد چمن کولہی نے بیوی سے ناراضگی کے بعد اپنے 3 معصوم بچوں کو رسی کی مدد سے آم کے درخت میں پھندا ڈال کر قتل کرنے کے بعد خود بھی پھندا لے کر خودکشی کر لی۔یہ واقعہ 04 اکتوبر کو پیش آیا۔مارے گئے بچوں میں 8 سالہ بھاگچند، 6 سالہ ہیرو اور ایک 4 سالہ معصوم بیٹی سونی کولہی تھی۔

(نامہ نگار)

تعلیم

اساتذہ کرام کا عالمی دن

چمن اساتذہ کے عالمی دن کی مناسبت سے گورنمنٹ پرائمری اسکول مدرسہ بحرالعلوم گھوڑا ہسپتال روڈ چمن میں ایک اجلاس منعقد ہوا۔ اجلاس سے جمعیت علماء اسلام کے رہنماء اور پاکستان یوتھ پارلیمنٹ کے ممبر حافظ محمد صدیق مدنی، مولوی نقیب اللہ، مولوی محمد عیسیٰ اور مدرسہ عربیہ بحرالعلوم چمن کے ناظم تعلیمات حافظ سیف الرحمٰن صدیق نے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ یومِ اساتذہ ہر سال 5 اکتوبر کو دنیا بھر میں منایا جاتا ہے تاکہ اس عظیم پیشے سے وابستہ افراد کی خدمات کو خراج تحسین پیش کیا جاسکے جو معاشرتی ترقی میں ریڑھ کی ہڈی کا کردار ادا کرتے ہیں۔ استاد وہ ہستی ہے جو نہ صرف ہمیں علم و ہنر سکھاتی ہے بلکہ انسانیت، اخلاقیات اور معاشرتی اقدار کا شعور بھی عطا کرتی ہے۔ انہوں نے مزید کہا کہ اساتذہ معاشرے کے معمار ہیں اور قوموں کے روشن مستقبل کے ضامن ہیں۔ استاد کا کردار کسی بھی معاشرے کی تعمیر و ترقی میں انتہائی اہمیت کا حامل ہوتا ہے۔ ایک استاد نہ صرف کتابی علم فراہم کرتا ہے بلکہ اپنے شاگردوں کی شخصیت کی تعمیر میں بھی کلیدی کردار ادا کرتا ہے۔ استاد کی رہنمائی سے طلباء میں سوچنے سمجھنے کی صلاحیتیں پیدا ہوتی ہیں، اور وہ خود اعتمادی کے ساتھ معاشرتی ذمہ داریاں نبھانے کے قابل بنتے ہیں۔ ہر کامیاب فرد کے پیچھے ایک استاد کا ہاتھ ہوتا ہے جو اپنی محنت، محبت اور صبر سے اُسے زندگی کے میدان میں آگے بڑھنے کے قابل بناتا ہے۔ انہوں نے مزید کہا کہ یومِ اساتذہ ہمیں یاد دلاتا ہے کہ استاد کا حق صرف تنخواہ تک محدود نہیں ہے بلکہ وہ ہمارے دلوں میں عزت و محبت کا حق دار ہے۔ ہمیں چاہیے کہ ہم اپنے اساتذہ کی قدر کریں اور ان کی محنت کو سراہیں۔ ایک اچھا استاد طلباء کے دل و دماغ میں علم کی شمع روشن کرتا ہے جو زندگی بھر رہتی ہے۔ مقررین نے مزید کہا کہ ہمیں چاہیے کہ ہم اس دن کو اپنے اساتذہ کے ساتھ مناتے ہوئے انہیں عزت و احترام دیں اور یہ عہد کریں کہ ہم ان کی دی ہوئی تعلیمات کو اپنی عملی زندگی میں اپنائیں گے اور ان کی عزت کو ہمیشہ اپنے دلوں میں بسائے رکھیں گے۔ ان کی قربانیوں اور محنتوں کو تسلیم کرتے ہوئے ہمیں ان کے ساتھ عزت اور محبت سے پیش آنا چاہیے۔ اساتذہ ہماری زندگیوں میں جو اہم کردار ادا کرتے ہیں، وہ ہمیشہ یاد رکھنے کے قابل ہے۔

(محمد صدیق)

کنٹریکٹ پر اساتذہ کی بھرتی اور تعلیمی قابلیت کے بے جا تقاضے

چمن بلوچستان میں اساتذہ کی بھرتی کے لیے جو اسامیاں مشتہر کی گئی تھیں، ان کی شرائط دیکھ کر ہر ذی شعور حیران ہو جاتا ہے کہ تمام ڈگریاں فرسٹ ڈویژن ہوں اور پیشہ ورانہ قابلیت جے وی ٹیچرز کے لیے ADE اور جے ای ٹی کے لیے B.Ed لازمی قرار دی گئی ہے۔ حالانکہ پچھلے SBK کے ٹیسٹ میں EST تک کے لیے ADE کی شرط رکھی گئی تھی۔ اب، کنٹریکٹ کی بھرتی کے لیے بھی پہلی پوزیشن اور بیچلر آف ایجوکیشن کی غیر ضروری شرط رکھی گئی ہے۔ یہ امر واضح رہے کہ اگر بلوچستان کے دور دراز بند اسکولوں کو کھولنا مقصود ہے تو تمام شرائط بے معنی اور بے سود ہیں۔ 2011 میں یونین کونسل کی بنیاد پر تعیناتیوں کا تجربہ کیا گیا تھا، جو پہلے سال ہی تبادلوں اور منسلکی کے باعث ناکام ہوا۔ بعد ازاں، گلوبل پروجیکٹ کے تحت ایک اشتہار آیا جس میں یہ شرط رکھی گئی کہ مذکورہ کلی کے میٹرک پاس مرد یا عورت کو ہر صورت تعینات کیا جائے گا۔ اس صورت میں بے شمار اسکولوں کے فعال ہونے کی امید تھی۔ اضلاع میں بے شمار درخواست دہندگان نے زمین دینے اور سروس تک کام کرنے کی یقین دہانی کرائی، لیکن 2016 کی پالیسی نے اس کامیاب اور ثمر آور پروگرام کو ختم کر دیا۔ نہ صرف مردوں کی آسامیوں کو ختم کر کے عورتوں کو ترجیح دی گئی بلکہ تحصیل اور ڈسٹرکٹ میرٹ کو بھی لاگو کیا گیا، جس نے ہمارے اسکولوں کی بندش اور تعلیمی زبوں حالی کا باعث بنا دیا۔ کوئی ان پالیسی سازوں کو یہ سمجھائے کہ تحصیل اور ڈسٹرکٹ میرٹ پر بھرتی ہونے والے کب تک 15 سے 50 کلومیٹر دور جا کر اسکول چلائیں گے؟ یہ سب ناکام کوششیں ہیں۔ یہ کہنا ضروری ہے کہ درجہ چہارم (چوکیدار، چپڑاسی، ڈرائیور وغیرہ) کے لیے ڈسٹرکٹ میرٹ ہے، جبکہ اساتذہ کے لیے یونین میرٹ۔ یہ کہاں کا انصاف اور کون سا قانون ہے؟ کیا یہ اربابِ اختیار کی اپنے لوگوں کو بھرتی کرنے کی سازش نہیں ہے؟ درجہ چہارم کے ملازمین کے لیے مقامی ہونا لازمی ہے، لیکن یہاں اُلٹا نظام ہے کیونکہ ذاتی مفادات شامل ہیں۔ کچھ عرصے سے ٹیسٹ اور انٹرویو کا رواج چل پڑا ہے، ورنہ اساتذہ کی بھرتی میں اوپن ڈسٹرکٹ میرٹ کا قانون لاگو کر کے جلد از جلد بھرتیاں ہو جاتیں۔ لیکن اب کنٹریکٹ کے لیے اتنی سخت شرائط رکھنے کی کیا ضرورت ہے؟ ہمیں اپنے بند اسکولوں کو فعال کرنا مقصود ہے، نہ کہ ایسے لوگوں کو بھرتی کرنا جو پچھلے تجربات کی طرح ناکامی کا سبب بنیں۔ پالیسیاں بناتے وقت بلوچستان کے جغرافیائی حالات کو بھی مدِنظر رکھنا ضروری ہے۔ اگر ان تمام شرائط پر پورا اترنے والے مل بھی جائیں تو وہ مقامی نہیں ہوں گے۔ اور جب تک ہمیں مقامی لوگ نہیں ملیں گے، اسکولوں کا حقیقی طور پر فعال ہونا ایک خواب ہی رہے گا۔ دوسری اہم بات یہ ہے کہ جو بچے سیکنڈ ڈویژن میں پاس ہیں، ان میں ایسے ہیرے پائے جاتے ہیں جو آج کے فرسٹ ڈویژن سے بہتر اہلیت رکھتے ہیں۔ جو سب بچے تھرڈ ڈویژن میں پاس ہوئے اب وہ کہاں جائیں؟ میرے نقطہ نظر میں وہ بچے ہیرے سے کم نہیں، لیکن آج کے حالات میں ان کا کہیں شمار بھی نہیں۔ کیا یہ ان کے ساتھ انصاف ہے؟ ہرگز نہیں۔ لہٰذا میری گزارش ہے کہ بلوچستان کے معروضی اور جغرافیائی حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے شرائط میں نرمی کی جائے اور مقامی میٹرک پاس بچوں کو ترجیحی طور پر بھرتی کیا جائے، تاکہ اسکول واقعی آباد رہیں۔ ورنہ ان شرائط کے تحت بھرتی ہونے والے اساتذہ غیر مقامی ہوں گے اور تعلیمی انحطاط کا سبب بنیں گے۔ تیسرا تجربہ بھی SBK کے نام نہاد ٹیسٹ، 2016 کی پالیسی، اور 2011 کی یونین کونسل پر مبنی بھرتی پالیسی کی طرح ناکام ہوگا، اور یہ پروگرام بھی بے ثمر ہوگا۔

(محمد صدیق)

اساتذہ کا اپنے مطالبات کے حق میں احتجاج

خیبر 7 اکتوبر کو صوبے بھر کی طرح لنڈی کوتل میں بھی سرکاری پرائمری اسکولوں کے اساتذہ نے اپنے مطالبات کے حق میں احتجاجی مظاہرہ کیا۔ اساتذہ مظاہرین نے پلے کارڈز اٹھا رکھے تھے جن پر ان کے مطالبات درج تھے۔ احتجاجی مظاہرین سے خطاب کرتے ہوئے شریف اللہ آفریدی نے کہا کہ اساتذہ کی ترقی اور مستقلی کے متعلقہ قوانین وضوابط پر عمل درآمد کیا جائے ورنہ وہ اسکولوں کو بند کرنے پر مجبور ہو جائیں گے۔ اساتذہ نے صوبائی حکومت کو تنقید کا نشانہ بناتے ہوئے کہا کہ وہ فوری طور تعلیم دشمن پالیسی ترک کرے اور تمام پرائمری ٹیچرز کو ان کا جائز حق دے، نیز سکولوں کی نجکاری کا فیصلہ واپس لیا جائے۔ انہوں نے کہا کہ معماران قوم کو پڑھانے دیا جائے اور بچوں کی تربیت کرنے کی دی جائے۔ آج بھی انہوں نے سکولوں کو احتجاجاً بند کیا ہے جس سے غریب طلباء کا نقصان ہو رہا ہے۔ شریف اللہ آفریدی نے کہا کہ اگر ان کے مطالبات تسلیم نہیں کئے گئے تو وہ سکولوں کو تالے لگا کر بند کر دیں گے اور سڑکوں پر بیٹھ جائیں گے۔

(مسعود شاہ)

قانون نافذ کرنے والے ادارے

مبینہ جبری گمشدگی

خیبر پاک افغان بارڈر مزدور کمیٹی کے سرکردہ رکن ڈاکٹر فامید اللہ شینواری کو مبینہ طور پر خفیہ معلومات کے ادارے کے اہلکاروں نے اٹھا کر لاپتہ کر دیا ہے۔ یہ واقعہ 2 اکتوبر کو اس وقت پیش آیا جب وہ گھر سے لنڈی کوتل بازار جا رہے تھے۔ جس کے بعد سے وہ تا حال لاپتہ ہیں۔ ان کو نہ عدالت کے سامنے پیش کیا گیا ہے اور نہ ہی متعلقہ ادارے اس بابت متاثرہ خاندان والوں کو معلومات دے رہے ہیں۔ پاک افغان بارڈر مزدور کمیٹی کے چیئر مین جمیعت علماء اسلام کے سنیئر رہنماء اور کاروباری شخصیت قاری تظیم گل نے اعلیٰ حکام، آئی جی پولیس، کور کمانڈر، وزیر اعلیٰ اور وزیر داخلہ سے مطالبہ کیا ہے کہ ڈاکٹر فامید اللہ کو عدالت میں پیش کر کے ان کی رہائی جلد عمل میں لائی جائے بصورت دیگر وہ مزاحمت پر مجبور ہو جائیں گے۔

(مسعود شاہ)

غیر ضروری چیک پوسٹ ہٹانے کا مطالبہ

نوشکی بلوچستان کو سندھ سے ملانے والی بین الاقوامی شاہراہِ پاک ایران قومی شاہراہ پر لکپاس ٹنل سے متصل پہاڑی سلسلہ میں لکپاس سیکورٹی چیک پوسٹ پر روزانہ گھنٹوں ٹریفک معطل ہونا روز کا معمول بن چکا ہے جس کی وجہ سے مسافروں، خواتین بالخصوص مریضوں کو انتہائی مشکلات اور وقت کے ضیاع سے دو چار ہونا پڑتا ہے اور یہ سلسلہ طویل عرصہ سے جاری ہے۔ بین الاقوامی اور بین صوبائی شاہراہ سے غیر ملکی سیاح اور زائرین بھی گزرتے ہیں۔ قلات ڈویژن، مکران ڈویژن اور رخشان ڈویژن کے مسافروں کے علاوہ بلوچستان سے علاج معالجے کے لیے کراچی جانے اور آنے والے مریض اس روٹ سے سفر کرتے ہیں۔ بروقت ہسپتالوں تک رسائی میں تاخیر کی وجہ سے مریضوں اور زخمیوں کی اموات واقع ہوتی ہیں کیونکہ بلوچستان کے ضلعی اور ڈویژنل ہیڈ کوارٹر ہسپتالوں میں صحت کی سروسز نہ ہونے کی وجہ سے مکران، رخشان اور قلات ڈویژن کے مریضوں کو ایمرجنسی کی صورت حال میں کوئٹہ ریفر کیا جاتا ہے اور بلوچستان کے صوبائی دارالحکومت کوئٹہ ڈویژن، لورالائی ڈویژن، ژوب ڈویژن، نصیر آباد ڈویژن اور سبی ڈویژن کے زخمیوں اور مریضوں کو کراچی لے جانے کے لیے لکپاس ٹنل سے گزرنا پڑتا ہے۔ بلوچستان کے عوام اور ٹرانسپوٹر کور کمانڈر، گورنر بلوچستان، وزیر اعلیٰ بلوچستان، اور چیف سیکرٹری بلوچستان سے مطالبہ کرتے ہیں کہ بلوچستان کے عوام کی مشکلات کو مدنظر رکھتے ہوئے بین الاقوامی شاہراہ اور بین صوبائی شاہراہِ لکپاس ٹنل چیک پوسٹ کو ہٹا کر بلوچستان کے عوام کو مشکلات سے نجات دلانے کے لیے فوری اقدامات کرتے ہوئے مذکورہ چیک پوسٹ کو ہٹایا جائے۔ بلوچستان کے شاہراؤں پر جگہ جگہ چیک پوسٹوں سے مسافروں کے وقت کا ضیاع ہو رہا ہے۔

(محمد سعید)

لڑکی کی تشدد زدہ لاش برآمد

نوشہرو فیروز 13 ستمبر کو ایک جنگل سے نوجوان لڑکی کی تشدد زدہ لاش ملی جو دو روز قبل لاپتہ ہوئی تھی۔ لڑکی کی والدہ کا کہنا ہے کہ اس کی بیٹی کو تشدد کر کے قتل کیا گیا ہے۔ انہوں نے انصاف کا مطالبہ کیا ہے۔ تفصیلات کے مطابق، نیو جتوئی کے قریب فرید دیرو تھانہ کی حدود میں ایک جنگل میں ایک نوجوان لڑکی کی لاش دیکھ کر اہل علاقہ نے پولیس کو اطلاع دی جس پر پولیس نے موقع پر پہنچ کر لاش کو تحویل میں لے کر اسپتال منتقل کر دیا، جہاں مقتولہ کی شناخت 19 سالہ نوجوان لڑکی یاسمین کور یجو ولد مجید کور یجو کے نام سے ہوئی۔ پولیس نے ضروری کاروائی کے بعد لاش ورثا کے حوالے کر دی۔ لاش گھر پہنچنے پر کہرام مچ گیا۔ اس موقع پر متوفی کے والد نے ورثا کے ہمراہ احتجاج کرتے ہوئے بتایا کہ "ہم بہت غریب لوگ ہیں ہماری کسی سے کوئی دشمنی نہیں ہے۔ ہمارے ساتھ بہت ظلم ہوا ہے۔ ہمارے ساتھ انصاف کیا جائے۔" پولیس کے مطابق واقع کی انکوائری شروع کر دی گئی ہے۔

(الطاف حسین قاسمی)

بچے کے ساتھ بدفعلی کوشش

عمرکوٹ 13 اکتوبر کو عمر کوٹ شہر کی ایک مقامی ہوٹل پر مزدوری کرنے والے 12 سالا بچے پرویز جونیجو سے ہوٹل مالک غلام علی ساند نے مبینا بدفعلی کی کوشش کی۔ معصوم بچے کے چچا جمال جونیجو نے وومین پولیس تھانہ عمرکوٹ پر گناہ نمبر 24/2024 قلم 511PPC،377B کے تحت کیس درج کراتے ہوئے مؤقف اختیار کیا کہ اس کا بھتیجا پرویز جونیجو ہوٹل پر مزدوری کرتا تھا جس کو ہوٹل مالک غلام علی ساند نے اپنی کرائے والی جگہ پر لے جا کر زیادتی کا نشانہ بنانے کی کوشش کی۔ بچے کے چلانے اور مدد کے لئے پکارنے پر ہم وہاں پہنچے تو ملزم بچے کو چھوڑ کر فرار ہو گیا۔ پولیس نے کیس کے اندراج کے بعد ملزم گرفتار کر لیا۔ (نامہ نگار)

بیٹی کے ساتھ مبینہ جنسی زیادتی

اوکاڑہ 15 اکتوبر 2024 کو حجرہ شاہ مقیم کے نواحی گاؤں بونگی رام سنگھ کی رہائشی سکینہ بی بی نے تھانہ حجرہ شاہ مقیم میں درخواست دی کہ اس کی بیٹی پندرہ سالہ فرزانہ بی بی کو اس کا باپ حسن گزشتہ دو سال سے جنسی تشدد کا نشانہ بنا تا رہا ہے۔ گزشتہ شب بھی وہ اپنی حقیقی بیٹی فرزانہ بی بی کو اپنی ہوس کا نشانہ بنا رہا تھا کہ وہ بیٹی کی چیخ و پکار سن کر جاگ اٹھی اور اس نے تمام واقعہ دیکھ کر تھانہ حجرہ شاہ مقیم پولیس کو درخواست دی جس پر ایس ایچ او فرخ شہزاد بھٹی نے بروقت کاروائی کرتے ہوئے ملزم حسن کو گرفتار کر کے مقدمہ درج کر کے قانونی کاروائی شروع کر دی۔ سکینہ بی بی نے بتایا کہ اسکا خاوند گزشتہ دو سال سے اسکی بیٹی پر جنسی تشدد کرتا رہا ہے۔

(اصغر حسین حماد)

بچے سے مبینہ جنسی زیادتی

سانگھڑ سانگھڑ کے قریب فوجی موڑ کے رہائشی 16 سالا عبدالغنی ملاح سے تین افراد کا مبینہ زیادتی کا الزام۔ تفصیلات کے مطابق ورکشاپ کے قریب منگلی تھانے کی حد فوجی موڑ کے رہائشی 16 سالا عبدالغنی ملاح کے ساتھ مبینہ زیادتی کی الزامات ہیں جبکہ دوسری جانب پولیس نے مبینہ زیادتی کے ملزم ارباب علی کو گرفتار کر لیا۔

(ابراہیم خلجی)

ایچ آر سی پی شکایات سیل

ایچ آر سی پی شکایات سیل نے 1985ء میں کام شروع کیا جب کسی بھی سرکاری یا غیر سرکاری ادارے میں ایسا مخصوص سیل موجود نہیں تھا جو مظلوم لوگوں کی شکایات وصول کرتا ہو۔اس وقت سے،ایچ آر سی پی پاکستان بھر میں انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں کے ازالے کے لئے جدوجہد میں مصروف ہے۔

ایچ آر سی پی شکایت سیل کو ماہانہ سینکڑوں شکایات موصول ہوتی ہیں۔ہم جونہی خواتین کے خلاف تشدد،محکمہ جاتی مسائل،اقلیتوں کے حقوق،جبری شادیوں، جبری تبدیلی مذہب، جبری گمشدگیوں، سائبر جرائم اور دیگر تمام انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں سے متعلق شکایات وصول کرتے ہیں اور اس پر ایکشن لیتے ہیں۔تاہم، مالی معاونت، سیاسی پناہ، جائیداد کے تنازعات یا ذاتی تنازعات سے متعلق شکایات ہمارے دائرہ کار سے باہر ہیں۔

طریقہ کار

جیسے ہی ہمیں شکایات موصول ہوتی ہیں ہم متعلقہ حکام سے رابطہ کرتے ہیں اور کیس پر کارروائی کا آغاز کر دیتے ہیں۔ہمارا بہت سے سرکاری اور غیر سرکاری اداروں کے ساتھ ایک براہ راست ریفرل نظام موجود ہے جس کا مقصد شکایت کے فوری ازالے کو یقینی بنانا ہے۔

ہم سے رابطہ کریں

اگر آپ نے کوئی شکایت درج کرانی ہے تو ہمیں کال کر سکتے ہیں، واٹس ایپ کر سکتے ہیں، ای میل بھیج سکتے ہیں یا خط ارسال کر سکتے ہیں۔
آپ اپنے قریبی ایچ آر سی پی شکایات ڈیسک میں بذات خود جا کر شکایت رجسٹر کروا سکتے ہیں اور کمپلینٹ آفیسر سے بذات خود بات کر سکتے ہیں۔

لاہور	کراچی	پشاور
ایوان جمہور۔107 ٹیپو بلاک، نیو گارڈن ٹاؤن، لاہور 54600 فون : +92 42 3586 4994, 3583 8341, 3586 5969 ای میل : hrcp@hrcp-web.org ویب سائیٹ : www.hrcp-web.org مرکز شکایات سیل فون : +92 042 3584 5969 موبائل: +92 0321 341 4884 ای میل: complaints@hrcp-web.org	یونٹ نمبر 08،فلور 1 سٹیٹ لائف بلڈنگ نمبر 5 (الاکو ہاؤس) عبداللہ ہارون روڈ صدر، کراچی۔ 74400 فون : +92 21 3563 7131, 3563 7132 شکایات سیل (موبائل) : +92 315 111 6287 ای میل : karachi@hrcp-web.org	43 گلشن اقبال لین (نزد اراب روڈ شاپ) یونیورسٹی روڈ، پشاور فون : +92 091 584 4253 شکایات سیل (موبائل) : +92 0318 950 0640 ای میل : peshawar@hrcp-web.org

اسلام آباد	کوئٹہ	حیدر آباد
آفس 1-B،فلور 2 بلاک ڈی-12، (اوپر فیصل بینک) جی 8، مرکز، اسلام آباد فون : +92 51 835 1127 شکایات سیل (موبائل): +92 333 569 4773 ای میل : islamabad@hrcp-web.org	فلیٹ نمبر C-6 کبیر بلڈنگ ایم۔اے۔جناح روڈ، کوئٹہ فون : +92 81 282 7869 شکایات سیل (موبائل) +92 306 294 6125 ای میل : quetta@hrcp-web.org	306- فائزہ آرکیڈ، (لوفٹ اینڈ میزانائن فلور) نزد مسجد حاجی شاہ بخاری درگاہ صدر کنٹونمنٹ، حیدرآباد فون : +92 22 278 3688, 720 770 فیکس : +92 22 278 4645 شکایات سیل (موبائل) : +92 310 339 2222 ای میل : hyderabad@hrcp-web.org

ملتان	گلگت	تربت/مکران
2511/5A ابدالی کالونی نزد بریٹین سکول ملتان فون : +92 61 451 7217 شکایات سیل (موبائل) : +92 331 665 5529 ای میل : multan@hrcp-web.org	آفس نمبر 8-9، رانگ یل پلازہ جماعت خانہ روڈ، ذوالفقار آباد کالونی، جتیال، گلگت موبائل : +92 0344 547 5553 شکایات سیل (موبائل) : +92 355 454 1088 ای میل : gilgit@hrcp-web.org	پرواز ہاؤس، بالمقابل علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی پسنی روڈ، تربت، کیچ فون : +92 852 413 365 شکایات سیل (موبائل) : +92 323 234 2406 ای میل : turbat@hrcp-web.org

Human Rights Commission of Pakistan

جہدِ حق

پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق جہدِ حق کے تمام قارئین کو آگاہ کرنا چاہتا ہے کہ یہ رسالہ مفت ہے۔ قارئین کو کسی قسم کی قیمت ادا کرنے کی ضرورت نہیں ہے

انسانی حقوق کا عالمی منشور

10 دسمبر 1948ء کو اقوام عالم نے انسانی حقوق کا مندرجہ ذیل عالمی منشور منظور کیا

دفعہ - 1: تمام انسان آزاد اور حقوق و عزت کے اعتبار سے برابر پیدا ہوئے ہیں۔ انھیں ضمیر اور عقل ودیعت ہوئی ہے۔ انہیں ایک دوسرے کے ساتھ بھائی چارے کا سلوک کرنا چاہیے۔

دفعہ -2: ہر شخص ان تمام آزادیوں اور حقوق کا مستحق ہے جو اس اعلان میں بیان کیے گئے ہیں اور اس حق پر نسل، رنگ، جنس، زبان، مذہب اور سیاسی تفریق کا یا کسی قسم کے عقیدے، قومیت، معاشرے، دولت یا خاندانی حیثیت وغیرہ کا کوئی اثر نہیں پڑے گا۔

اس کے علاوہ کسی بھی شخص کے ساتھ اس کے علاقے یا ملک کی، سیاسی، عملی یا بین الاقوامی حیثیت کی بناء پر کوئی امتیازی سلوک نہیں کیا جائے گا، خواہ وہ ملک یا علاقہ آزاد ہو یا تولیتی ہو یا غیر مختار ہو یا اقدار اعلیٰ کے لحاظ سے کسی اور بندش کا پابند ہو۔

دفعہ - 3: ہر شخص کو اپنی آزادی، زندگی اور تحفظ کا حق ہے۔

دفعہ - 4: کوئی شخص، غلام یا لونڈی بنا کر نہ رکھا جا سکے گا۔ غلامی اور بردہ فروشی، چاہے اس کی کوئی بھی شکل ہو، ممنوع ہوگی۔

دفعہ - 5: کسی شخص کو جسمانی اذیت، یا ظالمانہ انسانیت سوز، یا ذلت آمیز سزا نہیں دی جائے گی۔

دفعہ - 6: ہر شخص کا حق ہے کہ ہر جگہ اس کی قانونی حیثیت کو تسلیم کیا جائے۔

دفعہ - 7: قانون کی نظر میں سب برابر ہیں اور سب بغیر کسی تفریق کے قانون کے اندر امان پانے کے برابر کے حق دار ہیں۔ اس اعلان کی خلاف ورزی میں جو بھی تفریق کی جائے یا جس تفریق کی بھی ترغیب دی جائے، اس سے بچاؤ کے سب برابر کے حقدار ہیں۔

دفعہ - 8: ہر شخص کو ان فعال کے خلاف جو دستور یا قانون میں دیے ہوئے بنیادی حقوق کی نفی کرتے ہوں، با اختیار قومی عدالتوں سے موئثر طریقے سے چارہ جوئی کرنے کا حق ہے۔

دفعہ - 9: کسی شخص کو من مانے طور پر گرفتار، نظر بند، یا جلاوطن نہیں کیا جائے گا۔

دفعہ - 10: ہر شخص کو یکساں طور پر حق حاصل ہے کہ اس کے حقوق و فرائض کے تعین یا اس کے خلاف کسی عائد کردہ جرم کے فیصلے کے بارے میں اسے ایک آزاد اور غیر جانب دار عدالت میں کھلی اور منصفانہ سماعت کا موقع ملے۔

دفعہ - 11: (1) ایسے ہر شخص کو جس پر کوئی فوجداری الزام عاید کیا جائے، اس وقت تک بے گناہ شمار کیے جانے کا حق ہے جب تک کہ اس پر کھلی عدالت میں قانون کے مطابق جرم ثابت نہ ہو جائے اور اسے اپنی صفائی پیش کرنے کا پورا موقع اور تمام ضمانتیں نہ دی جاسکی ہوں۔

(2) کسی شخص کو کسی ایسے فعل یا فروگزاشت کی بناء پر جو ارتکاب کے وقت قومی یا بین الاقوامی قانون کے اندر تعزیری جرم شمار نہیں کیا جاتا تھا، کسی تعزیری جرم میں ماخوذ نہیں کیا جائے گا، اور نہ ہی اسے کوئی ایسی سزا دی جائے گی جو جرم کے ارتکاب کے وقت کی مقرر کردہ سزا سے زائد ہو۔

دفعہ - 12: کسی شخص کی نجی زندگی، خانگی زندگی، گھر بار، خط و کتابت میں من مانے طریقے پر مداخلت نہ کی جائے اور نہ ہی اس کی عزت اور نیک نامی پر حملے کیے جائیں گے۔ ہر شخص کو ایسے حملے یا مداخلت سے قانونی تحفظ کا حق ہے۔

دفعہ - 13: (1) ہر شخص کو اپنی ریاست کی حدود کے اندر نقل و حرکت کرنے اور کہیں بھی سکونت اختیار کرنے کی آزادی کا حق ہے۔

(2) ہر شخص کو اس بات کا حق حاصل ہے کہ وہ کسی ملک سے چلا جائے چاہے یہ ملک اس کا اپنا ہو اور اسی طرح اسے اپنے ملک میں واپس آجانے کا بھی حق ہے۔

دفعہ - 14: (1) ہر شخص کو عقیدے کی بنا پر ایذا رسانی سے بچنے کے لیے دوسرے ملکوں میں پناہ حاصل کرنے اور اس سے فائدہ اٹھانے کا حق ہے۔

(2) یہ حق ان عدالتی کاروائیوں سے بچنے کے لیے استعمال میں نہیں کیا جاسکتا جو خالصتاً غیر سیاسی جرائم یا ایسے افعال کی وجہ سے عمل میں آتی ہیں جو اقوام متحدہ کے مقاصد اور اصولوں کے خلاف ہیں۔

دفعہ - 15: (1) ہر شخص کو قومیت کا حق ہے۔

(2) کوئی شخص محض من مانے طور پر قومیت سے محروم نہیں کیا جائے گا اور نہ ہی اس کو اپنی قومیت تبدیل کرنے کا حق دینے سے انکار کیا جائے گا۔

دفعہ - 16: (1) بالغ مردوں اور عورتوں کو بغیر ایسی پابندی کے جو نسل، قومیت، یا مذہب کی بنا پر لگائی جائے شادی بیاہ کرنے اور گھر بسانے کا حق ہے۔ مردوں اور عورتوں کو نکاح، ازواجی زندگی اور نکاح کو فسخ کرنے کے معاملے میں برابر کے حقوق حاصل ہیں۔

(2) نکاح فریقین کی پوری آزادی اور رضامندی سے ہوگا۔

(3) خاندان، معاشرے کی فطری اور بنیادی اکائی ہے اور وہ معاشرے اور ریاست دونوں کی طرف سے حفاظت کا حقدار ہے۔

دفعہ - 17: (1) ہر انسان کو تنہا یا دوسروں سے مل کر جائیداد رکھنے کا حق ہے۔

(2) کسی شخص کو زبردستی اس کی جائیداد سے محروم نہیں کیا جائے گا۔

دفعہ - 18: ہر انسان کو آزادی فکر، آزادی ضمیر اور آزادی مذہب کا پورا حق ہے۔ اس حق میں مذہب اور عقیدے کو تبدیل کرنے اور اجتمائی یا انفرادی طور پر خاموشی یا کھلے بندوں اپنے عقیدے کی تبلیغ، اس پر عمل، اور اس کی عبادات اور رسومات پوری کرنے کی آزادی بھی شامل ہے۔

دفعہ - 19: ہر شخص کو اپنی رائے رکھنے اور اظہار رائے کی آزادی کا حق حاصل ہے۔ اس حق میں یہ امر بھی شامل ہے کہ وہ آزادی کے ساتھ اور بلا کسی قسم کی مداخلت کے اپنی رائے پر قائم رہے اور جس ذریعے سے چاہے اور ملکی سرحدوں کے حائل ہوئے بغیر معلومات اور خیالات کا حصول اور ان کی ترسیل کرے۔

دفعہ - 20: (1) ہر شخص کو پرامن طریقے سے ملنے جلنے اور انجمنیں قائم کرنے کی آزادی کا حق ہے۔

(2) کسی شخص کو کسی انجمن میں شامل ہونے پر مجبور نہیں کیا جا سکتا۔

دفعہ - 21: (ا) ہر شخص کو اپنے ملک کی حکومت میں براہ راست یا آزادانہ طور پر منتخب کیے ہوئے نمائندوں کے ذریعے حصہ لینے کا حق ہے۔

(2) ہر شخص کو اپنے ملک میں سرکاری ملازمت حاصل کرنے کا برابر کا حق ہے۔

(3) عوام کی مرضی حکومت کے اقتدار کی بنیاد ہوگی۔ یہ مرضی وقتاً فوقتاً ایسے حقیقی انتخابات کے ذریعے ظاہر کی جائے گی جو عام اور مساوی رائے دہندگی کی بنیاد پر ہوں گے اور جو خفیہ ووٹ یا اس کے مماثل کسی دوسرے آزادانہ طریقہ رائے دہندگی کے مطابق عمل میں آئیں گے۔

دفعہ - 22: معاشرے کے رکن کی حیثیت سے ہر شخص کو معاشرتی تحفظ کا حق حاصل ہے اور یہ حق بھی وہ ملک کے نظام اور وسائل کے مطابق قومی کوشش اور بین الاقوامی تعاون سے ایسے اقتصادی، معاشرتی اور ثقافتی حقوق کو عملاً حاصل کرے، جو اس کی عزت اور شخصیت کی آزادانہ نشوونما کے لیے لازم ہیں۔

دفعہ - 23: (1) ہر شخص کو کام کاج، روزگار کے آزادانہ انتخاب، کام کاج کی مناسب و معقول شرائط اور بے روزگاری کے خلاف تحفظ کا حق ہے۔

(2) ہر شخص کو کسی تفریق کے بغیر مساوی کام کے لیے مساوی معاوضے کا حق ہے۔

(3) ہر شخص جو کام کرتا ہے وہ ایسے مناسب و معقول مشاہرے کا حق رکھتا ہے جو خود اس کے اور اس کے اہل و عیال کے لیے باعزت زندگی کا ضامن ہو اور جس میں اگر ضروری ہو تو معاشرتی تحفظ کے دوسرے ذریعوں سے اضافہ کیا جا سکے۔

(4) ہر شخص کو اپنے مفاد کے بچاؤ کے لیے تجارتی انجمنیں، (ٹریڈ یونین) قائم کرنے اور اس میں شریک ہونے کا حق حاصل ہے۔

دفعہ - 24: ہر شخص کو آرام اور فرصت کا حق ہے جس میں کام کے گھنٹوں کی حد بندی اور تنخواہ کے ساتھ مقررہ وقفوں پر تعطیلات میں شامل ہیں۔

دفعہ - 25: (1) ہر شخص کو اپنی اور اپنے اہل وعیال کی صحت اور فلاح و بہبود کے لیے مناسب معیار زندگی کا حق ہے جس میں خوراک، پوشاک، مکان اور علاج کی سہولتیں اور دوسری ضروری معاشرتی مراعات، اور بیروزگاری، بیماری، معذوری، بیوگی، بڑھاپا اور ان حالات میں روزگار سے محرومی جو اس کے قبضہء قدرت سے باہر ہوں، کے خلاف تحفظ کا حق شامل ہے۔

(2) زچہ اور بچہ خاص توجہ اور امداد کے حق دار ہیں۔ تمام بچے خواہ وہ شادی کے بغیر پیدا ہوئے ہوں یا شادی کے بعد، معاشرتی تحفظ سے یکساں طور پر مستفید ہوں گے۔

دفعہ - 26: (1) ہر شخص کو تعلیم کا حق ہے۔ تعلیم کم سے کم ابتدائی اور بنیادی درجوں میں مفت ہوگی۔ ابتدائی تعلیم لازمی ہوگی۔ فنی اور پیشہ ورانہ تعلیم حاصل کرنے کا عام انتظام کیا جائے گا اور لیاقت کی بنا پر اعلیٰ تعلیم حاصل کرنا سب کے لیے مساوی طور پر ممکن ہوگا۔

(2) تعلیم کا مقصد انسانی شخصیت کی پوری نشوونما ہوگا اور وہ انسانی حقوق اور بنیادی آزادیوں کے احترام میں اضافہ کرنے کا ذریعہ ہوگی۔ وہ تمام قوموں اور نسلی یا مذہبی گروہوں کے درمیان باہمی مفاہمت، رواداری اور دوستی کو ترقی دے گی اور امن کو برقرار رکھنے کے لیے اقوام متحدہ کی سرگرمیوں کو آگے بڑھائے گی۔

(3) والدین کو اس بات کے تصفیہ کا اولین حق ہے کہ ان کے بچوں کو کس قسم کی تعلیم دی جائے گی۔

دفعہ - 27: (1) ہر شخص کو قوم کی ثقافتی زندگی میں آزادانہ حصہ لینے، فنون لطیفہ سے مستفید ہونے اور سائنس کی ترقی اور اس کے فوائد میں شرکت کا حق حاصل ہے۔

(2) ہر شخص کو حق حاصل ہے کہ اس کے ان اخلاقی اور مادی مفادات کا تحفظ کیا جائے جو اسے ایسی سائنسی، فنی یا ادبی تصنیف سے، جس کا وہ مصنف ہے، حاصل ہوتے ہیں۔

دفعہ - 28: ہر شخص ایسے معاشرتی اور بین الاقوامی نظام کا حقدار ہے جس میں وہ تمام آزادیاں اور حقوق حاصل ہوسکیں جو اس اعلان میں شامل ہیں۔

دفعہ - 29: (1) ہر شخص پر معاشرے کے حق ہیں کیونکہ معاشرے میں رہ کر اس کی شخصیت کی آزادانہ اور پوری نشوونما ممکن ہے۔

(2) اپنی آزادیوں اور حقوق سے فائدہ اٹھانے میں ہر شخص صرف ایسی حدود کا پابند ہوگا جو دوسروں کی آزادیوں اور حقوق کو تسلیم کرانے اور ان کا احترام کرانے کی غرض سے اور ایک جمہوری نظام میں اخلاق، امن عامہ اور عام فلاح و بہبود کے مناسب لوازمات کو پورا کرنے کے لیے قانون کی طرف سے عائد کی گئی ہوں۔

(3) یہ حقوق اور آزادیاں کسی حالت میں بھی اقوام متحدہ کے مقاصد اور اصولوں کے خلاف عمل میں نہیں لائی جاسکتیں۔

دفعہ - 30: اس اعلان کی کسی چیز سے کوئی ایسی بات مراد نہیں لی جاسکتی جس سے کسی ملک، گروہ یا شخص کو کسی ایسی سرگرمی میں مصروف ہونے یا کسی ایسے کام کو انجام دینے کا حق پیدا ہو جس کا منشا ان حقوق اور آزادیوں کی نفی ہو جو یہاں پیش کی گئی ہیں۔

HRCP

پبلشر: ندیم فاضل: پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق
"ایوان جمہور" 107۔ ٹیپو بلاک، نیو گارڈن ٹائون، لاہور
فون : 35838341-35864994 فیکس : 35883582
ای میل hrcp@hrcp-web.org ویب سائٹ : www.hrcp-web.org
پرنٹر : مکتبہ جدید پریس، 14 ایمپرس، لاہور Registered No. LRL-15

کمپوز:
جمال احمد
سید رضا شاہ